خدام الدین

بانی ادارہ شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ

رئیس الادارہ جانشین شیخ التفسیر مولانا عبید اللہ انور

رئیس التحریر مولانا مفتی محمود

بے وقوفوں کی حکومت

عن جابر بن عبد الله رضي الله عنهما أن النبي صلى الله عليه وسلم قال لكعب بن عجرة أعاذك الله من إمارة السفهاء قال وما إمارة السفهاء قال أمراء يكونون بعدي لا يقتدون بهديي ولا يستنون بسنتي فمن صدقهم بكذبهم وأعانهم على ظلمهم فأولئك ليسوا مني ولست منهم ولا يردون على حوضي ۔

(رواہ احمد والبزار ورجالہما رجال الصحیح (مجمع الزوائد [illegible]))

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت کعب سے فرمایا اللہ تعالیٰ تجھے بے وقوفوں کی حکومت سے بچائے۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! بے وقوفوں کی حکومت کیسی ہوتی ہے؟ آپ نے فرمایا میرے بعد کچھ حکمران ہوں گے جو میرے طریقے (نظام) پر نہیں چلیں گے اور میری سنت پر عمل نہیں کریں گے جن لوگوں نے ان کے جھوٹ کی تصدیق کی اور ان کے ظلم میں ان کا ساتھ دیا ان کا میرے ساتھ کوئی تعلق نہیں اور میرا ان سے کوئی واسطہ نہیں۔

اور

وہ میرے حوض پر نہیں آسکیں گے

مطبوعہ انجمن خدام الدین شیرانوالہ دروازہ لاہور پاکستان

احادیث الرسول

ایک مسلمان دوسرے کا آئینہ

اَلْمُؤْمِنُ مِرْآةُ الْمُؤْمِنِ وَالْمُؤْمِنُ اَخُو الْمُؤْمِنِ يَكُفُّ عَنْهُ ضَيْعَتَهُ وَيَحُوطُهُ مِنْ وَّرَائِهِ۔

ترجمہ: ایمان والا، ایمان والے کا آئینہ ہے۔ اور ایمان والا ایمان والے کا بھائی ہے۔ اس کی تباہی کو اس سے روکتا ہے اور اس کے پیچھے اس کی حفاظت کرتا ہے۔

اس حدیث میں ان لوگوں کا باہمی تعلق بتایا گیا ہے جو دولت ایمان سے بہرہ اندوز ہیں۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مسلمان ایک دوسرے کے لیے آئینہ ہیں اور وہ ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔

ایک دوسرے کے لیے آئینہ میں آدمی اپنی بھلائی اور برائی سے واقف ہو جاتا ہے۔ اسی طرح ایک مومن کو دوسرے مومن سے اپنے حسن و قبح کے جانچنے کا موقع مل جاتا ہے۔ اول تو وہ اس کے چہرہ ہی سے بھانپ لیتا ہے کہ وہ اس سے مل کر خوش ہوا ہے یا رنجیدہ۔ کیونکہ ایک مسلمان کے چہرے پر خوشی کے آثار دوسرے مسلمان سے مل کر اسی وقت ظاہر ہوں گے جب وہ اس کے اندر کوئی قابل اعتراض بات نہ دیکھے گا۔ یا پھر وہ کسی نہ کسی انداز سے اس پر ظاہر کر دے گا کہ فلاں عادت جو تم نے اختیار کر رکھی ہے اسے ترک کرنا چاہیے کہ وہ اچھی نہیں کیونکہ ایک مومن دوسرے مومن کی اصل خیر خواہی اسی میں دیکھتا ہے کہ اسے ہر قابل اعتراض بات سے کسی نہ کسی طرح روکنے کی کوشش کرے۔ اور باہم ایک دوسرے کی اصلاح میں لگا رہے۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک مسلمان دوسرے کے اندر کوئی قابل اعتراض بات دیکھتا ہے تو سوچ میں پڑ جاتا ہے کہ یہ کہیں خود اس میں تو نہیں ہے اگر ہو تو وہ اسے اپنے اندر سے نکال دینے کی کوشش میں مشغول ہو جاتا ہے اور اگر اس میں کوئی اچھی بات دیکھتا ہے تو اسے اختیار کرنے لگ جاتا ہے۔ اور اس طرح یہ دوسرا اسے حسن و قبح سے آگاہ کرنے کے اندر آئینہ کا کام دیتا ہے۔

بھائی ہونے کی حیثیت سے خود حدیث میں صراحۃً اس کا کام بتا دیا گیا ہے یعنی اسے اس کی تباہی سے بچاتا ہے اور پیٹھ پیچھے اس کی طرفداری اور حمایت کرکے اس کے نام، شہرت اور عزت کی حفاظت کرتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ ایک مومن دوسرے مومن کو ہر برائی سے بچانے میں لگا رہتا ہے۔

جب کسی قوم کے رگ و ریشہ میں برائی رچ جاتی ہے۔ تو وہ پیغمبر کی بات کو بھی ٹھکرا دیتی ہے۔

شکریہ کا پیغام!

احباب کے نام!

قائد جمعیۃ حضرت مولانا مفتی محمود صاحب مدظلہ نے فرمایا کہ میرے بھائی کی وفات حسرت آیات پر جن احباب نے ہمارے یہاں تشریف لا کر یا خط، تار اور ٹیلیفون کے ذریعہ اظہار تعزیت کیا ہے۔ میرے لیے ان سب حضرات کا فرداً فرداً شکریہ ادا کرنا بہت مشکل امر ہے۔ اس لیے میں صمیم قلب کے ساتھ جملہ احباب کا ہفت روزہ "خدام الدین" کے ذریعہ شکریہ ادا کرتا ہوں۔

فجزاهم الله تعالى خير الجزاء

سیرتِ رسول علیہ السلام

منانے کی بجائے اپنانے کی ضرورت ہے

قمری و ہجری سال کے تیسرے مہینے "ربیع الاول" کی آمد آمد ہے۔ اس مہینہ کو جہاں یہ شرف حاصل ہے کہ اس میں حضور محسنِ مرتبت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رونق افروزِ عالم ہوئے وہاں تاریخ انسانی کا سب سے بڑا حادثہ یعنی ارتحال نبوی بھی اسی ماہ میں پیش آیا۔ جس کے پیش نظر سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے مضبوط قویٰ کے مالک لوگ بھی چکرا کر رہ گئے۔

کچھ دنوں سے ایک مخصوص خطہ میں واقعہ ولادت کو بڑے اہتمام سے منانے کا رواج ہو چلا ہے اور اس سلسلہ میں جو کچھ ہوتا ہے اس کی وضاحت و قباحت کی چنداں ضرورت نہیں۔ جلسے اور جلوس اس تقریب کا لازمہ بن کر رہ گئے ہیں اور اس معاملہ میں عوام ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہیں۔

جہاں تک اس دن کو مختلف طریقوں سے منانے کا تعلق ہے۔ ہم لگی لپٹی رکھے بغیر یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ہر وہ طریقہ جو منشاء و روح اسلام کے مطابق ہو، اس کے مطابق یاد منانے میں کوئی حرج نہیں بلکہ ذات رسالت سے وابستگی و تعلق کی دلیل ہے۔ رہ گئے وہ مناظر اور وہ طور طریقے جن کا اسلام سے دور کا بھی واسطہ نہیں جیسا کہ عام طور پر ہمارے یہاں ہوتا ہے تو یہ صورت کسی لحاظ سے بھی مستحسن نہیں بلکہ حضور رسالت مآب قائد اعظم و اکبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچانے کے مترادف ہے۔

البتہ ایک اگلا موڑ ہے جس کی اصل میں سب سے زیادہ ضرورت ہے اور وہ ہے "سیرت رسولؐ کو اپنانا" کیونکہ جہاں تک "منانے" کا تعلق ہے وہ تو ہر کوئی مناتا ہے اور زور شور سے مناتا ہے اور آئے سال اس میں اضافہ ہی ہو رہا ہے لیکن "اپنانے" کے معاملہ میں بہت کم لوگ خلوص و محبت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

جلد ۲۱ ◎ شمارہ ۲۹ ◎ ۷۵ پیسے

ہر کوئی اس حقیقت سے باخبر ہے کہ رشد و ہدایت کے جس سلسلہ کی ابتدا حضرت آدم علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہوئی تھی اس کی تکمیل دعائے خلیل و بشارت مسیح پر ہو گئی اور دین کو جو پیغام و قانون عطا فرمایا گیا ہے اس میں تکمیل دین کا واضح اعلان کر دیا گیا ہے۔ یہ پیغام حق و صداقت نازل کرنے والے خدا نے جہاں اس کی صداقت و من جانب اللہ ہونے کے عقیدہ کو تسلیم کرنے کی ضرورت پر زور دیا اور اسے معیار نجات قرار دیا۔ وہاں عملی زندگی میں اس کو اپنانے پر بھی زور دیا۔ اور اسی کو انسانیت کی معراج اور شرف و فضل کا باعث بتلایا اور جہاں تک حضور محمد عربی روحی و جسدی فداہ کی ذات گرامی کا تعلق ہے آپ نے اپنے خالق و مالک کی ہدایت کے مطابق جہاں عقیدہ کی اصلاح پر اپنی توانائیاں صرف کیں وہاں عمل و کردار کی اہمیت پر بھی بھرپور روشنی ڈالی۔ اور روشنی ڈالنے کے ساتھ ساتھ عمل کی دنیا میں سب کچھ کر کے دکھایا۔ اور ایک ایسی جماعت بھی تیار کی جو نظری اعتبار سے ہی نہیں بلکہ عملی اعتبار سے بھی اپنی مثال آپ تھی۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک ہو یا آپ کے تربیت یافتہ شاگردوں کے نفوس قدسیہ وہ عمل کے دھنی تھے اور اسی پر وہ زیادہ زور دیتے تھے۔ کیونکہ یہ حقیقت ان کی نظر میں تھی کہ لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ۔

اس حقیقت کبریٰ کو انہوں نے پایا تو اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کے دروازے ان پر کھول دیے اور ان کی اس طرح امداد فرمائی کہ دنیا حیرت میں مبتلا ہو گئی۔

جوں جوں عملی اعتبار سے کوتاہیاں پیدا ہونی شروع ہوئیں توں توں ہم اپنا مقام و مرتبہ کھوتے چلے گئے۔ اور آج نیل کے ساحل سے لے کر تابخاک کاشغر ہم کروڑوں کی تعداد میں ضرور ہیں پر ہماری کوئی حیثیت نہیں اور دنیا کی نظروں میں ہمارا کوئی مقام نہیں۔

اس کی وجہ ہمارے نزدیک محض اور محض یہ ہے کہ ہم عملی اعتبار سے اپاہج و مفلوج ہو چکے ہیں، قوائے عمل معطل و بیکار ہیں اور کھوکھلے نعروں سے بات آگے نہیں چلتی۔

آج قرآن کریم جو تقریباً [illegible] سیرت [illegible] مسلمان [illegible] اور ہر [illegible] اس کی تلاوت اور اس سے برکت حاصل کرنے کی خواہش ضرور ہے لیکن اس کے مطابق عمل؟ اس کا سوال ہی نہیں۔

ہم یہ بات برملا کہنا چاہتے ہیں کہ پوری قوم اور حکومت مل جل کر سیرت و میلاد کا دن منائے، قومی سیرت کانگریس کے نام سے ملکی و غیر ملکی سکالر اکٹھے کرے ان سے مقالات پڑھوائے، تقریریں کروائے۔ جلوسوں کا اہتمام ہو، سب کچھ ہو لیکن تنزل و ادبار کے دن تب ہی پلٹیں گے جب سیرت رسولؐ کو اپنایا جائے گا۔

اپنانے کی صورت یا شکل واضح ہے یعنی یہ کہ خدائے بزرگ و برتر کی حاکمیت کو تسلیم کیا جائے۔ شریعت مصطفویہ کو ملک میں نافذ کیا جائے۔ سیاست، معاشرت، معیشت اور تمام شعبہ ہائے زندگی میں رسولؐ کی ہدایات کو پیش نظر رکھا جائے۔ سیرت رسولؐ کے ایسے نقوش سامنے ہوں اور ذاتی پسند و ناپسند کے بجائے اللہ اور اس کے رسولؐ برحق کی پسند و ناپسند کا پاس و لحاظ کیا جائے۔

ایسا ہوا تو انقلاب آ جائے گا ورنہ قومی سیرت کانگریس اور اس نوعیت کے دوسرے پروگرام رچا کر مذہبی امور کی (یاد رہے کہ اس نام کی وزارت کا قیام اسلام کی جامعیت کے عقیدہ کی عملی تکذیب ہے) وزارت بنا کر یا جلوس و جلسے منعقد کر کے ہم کوئی مقصد نہ پا سکیں گے بلکہ اس طرح خطرہ ہے کہ منافقت و دو عملی جیسے شدید جرم کے ہم عنداللہ مجرم قرار پا جائیں اور اگر ایسا ہو گیا تو پھر دنیا کی ذلتوں کے ساتھ ساتھ عقبیٰ کی بربادی لازم ہو گی۔

اللہ تعالیٰ ہمیں "سیرت رسولؐ کو اپنانے" کی توفیق عطا فرمائیں اور قول و فعل کے تضاد سے بچا کر اپنے مخلص بندوں میں شامل فرما لیں۔

چودھری ظہور الٰہی اور حکومت پاکستان

چودھری ظہور الٰہی ان خوش قسمت افراد میں سے ہیں

(باقی صفحہ [illegible] پر)

خطبہ جمعہ

یہود و نصاریٰ کے مقابلہ میں اپنا مرکز بنائیں

ضبط و ترتیب : ادارہ | جانشینِ شیخ التفسیرؒ حضرت مولانا عبید اللہ انور زید مجدھم

بعد از خطبہ مسنونہ :

اعوذ باللّٰہ من الشّیطٰن الرّجیم : بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرّحیم :

هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝

صدق اللّٰہ العلی العظیم ۔

آج کا عنوان ہے "اسلام دنیا میں تمام ادیانِ باطلہ پر غلبہ کے لیے آیا ہے"۔

اس آیت میں قرآن کے نزول کا مقصد و نصب العین بیان کیا گیا ہے ۔ ترجمہ ملاحظہ فرمائیں

"وہی تو ہے جس نے اپنا رسول ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا تاکہ اس کو سب دینوں پر غالب کرے ، اگرچہ مشرک اس کو ناپسند کریں"

(حضرت لاہوریؒ)

اور حقیقت یہ ہے کہ یہ غلبہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زندگی میں متحقق ہو چکا تھا ۔ ۱۳ سالہ مکی زندگی میں خلافت باطنہ بقول حضرت الامام شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ قائم ہو گئی تھی ۔ یعنی مسلمان نماز روزہ وغیرہ کے پابند تھے لیکن ظاہراً ایسا نہ ہوتا تھا اس لیے خلافت باطنہ فرمایا ۔ اور چونکہ عملی نظام نہ تھا خلافت ظاہرہ قائم نہ تھی اس لیے اس دور کو خلافت باطنہ فرمایا کہ اس زمانہ کی سلطنت صحیح سلطنت نہ تھی ۔ اور جب ۱۳ سالہ مکی زندگی کا مشن پورا ہو گیا تو اگلے مشن یعنی خلافت ظاہرہ کے قیام کے لیے خدا نے ہجرت کا حکم دے دیا ۔ چنانچہ آپ نے اجل صحابہ کرام کے ساتھ ہجرت فرمائی وہاں جا کر بقول حضرت الامام شاہ ولی اللہ خلافت ظاہرہ قائم فرمائی ۔ رئیس المنافقین ابن ابی آپ کی ہجرت سے پہلے مدینہ کے لوگوں کا اپنے کو لیڈر کہتا اور سمجھتا تھا ۔ حتیٰ کہ بعض کتابوں کے مطابق اس کی رسم تاجپوشی کا دن متعین ہو چکا تھا کہ آپ کو ہجرت کا حکم ہوا ۔ اس اقدام سے اس کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا اور پریشان ہو کر رہ گیا ۔ چونکہ وہ مسلمانوں سے لڑ بھڑ کر بھی اپنا مقصد حاصل نہ کر سکتا تھا ۔ اس لیے اس نے منافقت کا روپ دھار لیا تاکہ جب بھی موقعہ ملے مسلمانوں کا تیا پانچہ کر دوں ۔ اسی مقصد کی خاطر یہود اور دوسرے عناصر کے ساتھ اس کی ملی بھگت رہی اور اسی لیے اسے رئیس المنافقین کہا جاتا ہے ۔

مکہ کے حاسدین و شیاطین حضور علیہ السلام سے بچ کر نکل جانے سے سیخ پا تھے اس لیے انہوں نے ریشہ دوانیاں شروع کر دیں ۔ اس کی ایک کڑی یہ بھی کہ ملک کے تمام چھوٹے بڑے افراد نے اپنی اپنی ہمت کے مطابق اثاثہ اکٹھا کر کے ابوسفیان کی قیادت میں قافلہ شام بھیجا تاکہ اجتماعی تجارت کے منافع سے اسلحہ خرید کر یکبارگی مسلمانوں پر حملہ کیا جائے ۔ یہ اسی طرح کا پروگرام تھا جو اس سے پہلے بھی ہو چکا تھا کہ اجتماعی طریق سے حضور علیہ السلام کو شہید کر دیا جائے کہ تمام قبائل سے آپ کا قبیلہ بدلہ نہ لے سکے ۔ اسی میں ہجرت کا حکم ہوا اور آپ بچ کر نکل گئے

اس وقت مسلمانوں کو مدافعانہ جنگ کی بھی اجازت نہ تھی ۔ جب کچھ ہوتا تو اِسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ کا حکم ہوتا یعنی صبر و صلوٰۃ کے ذریعہ اللہ سے مدد مانگو ۔ اب جب وہاں بھی چین نصیب نہ ہوا تو مشرکین مکہ نے ابن ابی کو خط لکھا کہ ہمارے بھگوڑے تمہارے ملک میں آ گئے ہیں ان کا صفایا کر دو تو بہتر ہے ورنہ ہم آ کر ان سے تو نمٹیں گے ہی تم سے بھی نمٹیں گے ، تمہیں سزا دیں گے ۔ اس بات سے اسے حوصلہ ہوا ۔ حالات کی خبر حضور علیہ السلام

کر ہو گئی تو آپ اس بدبخت کے مکان پر گئے اسے سمجھایا۔ کہ تم اپنی قوم کے سربراہ بننے کے خواب دیکھ رہے تھے اور اب یہ حالت ہے کہ اپنی ہی قوم اور خاندان کے خون سے ہاتھ رنگنے کی سوچ رہے ہو حالانکہ یہ اپنی قوم سے بدخواہی ہے۔ اور بدخواہ قوم کا سردار نہیں ہو سکتا۔ حضور علیہ السلام کے اس ارشاد سے اس کے حوصلے پست ہو گئے وہ سمجھ گیا کہ ہماری سازشوں کا انہیں علم ہے۔ ساتھ ہی خدا نے مسلمانوں کو وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ کا حکم دے دیا کہ تم بھی خوب تیاری کرو۔

چنانچہ اس کے بعد ہی بدر کا مشہور واقعہ پیش آیا۔ یہ واقعہ جنگ کا نہیں بلکہ مدافعانہ کاروائی میں کودنے کی بات تھی نتیجہ جنگ کی صورت میں سامنے آیا۔

گویا مکی زندگی میں تو تربیت کا سلسلہ جاری رہا۔ جس میں عدم تشدد کے اصول پہ عمل کیا گیا۔ یہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کی کامل و مکمل زندگی تھی کہ ان کی زندگی میں یہی اصول کارفرما تھا۔ عدم تشدد کے مبلغ و داعی کے باوجود ظالموں نے ان کے قتل کا منصوبہ بنایا بلکہ اپنے طور پر قتل کر ڈالا۔ لیکن خدا نے پانچ سو سال بعد اس راز سے پردہ اٹھایا۔ کہ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ۔

ہاں تو عیسٰی علیہ السلام کی زندگی میں عدم تشدد تھا جہاد نہ تھا لیکن چونکہ حضور علیہ السلام کا دین آخری اور مکمل دین ہے اس کے بعد کوئی دین نہیں اس لیے اس میں ساری چیزیں ہیں عدم تشدد بھی اور جہاد بھی اور ہر چیز اپنے اپنے وقت پر ہے۔ مکہ میں عدم تشدد تھا تو مدینہ میں جہاد۔

اسی زندگی کی بقا کا انحصار جہاد پر ہے خدا نے قرآن کریم میں فرمایا کہ اگر جہاد کا سلسلہ نہ ہوتا تو ظالم طبقہ مظلوموں کے عبادت خانے برباد کر ڈالتا اَلْجِهَادُ مَاضٍ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے۔ جس کا معنی یہ ہے کہ جہاد قیامت تک جاری رہے گا۔

آج پورے ملک میں مسجد اقصٰی کی حیثیت تبدیل کرنے سے متعلق احتجاج ہو رہا ہے لیکن اصل بات یہ ہے کہ احتجاج سے بات نہیں بنتی بات جہاد سے بنتی ہے۔ جہاد ہو گا تو دنیا میں کامیاب رہو گے۔ جہاد سے منہ موڑو گے تو ذلیل و خوار ہو گے۔

آج بدقسمتی سے نہ تو اعتصام بحبل اللہ ہے یعنی اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامنا اور نہ ہی جہاد ہے جو دین اسلام کا اہم ترین حصہ ہے۔ اور اسی وجہ سے ہم تباہ حال ہیں۔

تو عرض کر رہا تھا تجارتی قافلہ کی۔ حضور علیہ السلام کو جب اس کا علم ہوا تو آپ نے اپنی سی۔ آئی۔ ڈی بھیجی تاکہ ان پر رعب قائم ہو اور انہیں معلوم ہو کہ عدم تشدد کا دور گزر چکا ہے۔ اب آمنا سامنا ہو گا۔

بغیر طیاری جنگ حضور علیہ السلام تھوڑے سے حضرات کو ساتھ لے کر نکلے ابوسفیان کو علم ہوا تو وہ دریائی راستہ سے نکل گیا۔ البتہ اس نے مکہ میں اطلاع کر دی تھی وہاں سے ابوجہل غصہ میں بھرا ہوا لشکر لے کر آ گیا۔ اس پر خدا نے ارشاد فرمایا۔ کہ اب دو میں سے ایک لشکر پر تمہیں غلبہ غلبہ نصیب ہو گا یا تجارتی قافلہ یا اس کی امداد کو آنے والا لشکر۔ وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ الآیۃ (انفال)

چنانچہ اللہ تعالٰی نے اپنی قدرت کاملہ سے ابوجہل کے لشکر پر آپ کو غلبہ عطا فرمایا اور پھر یہ سلسلہ چلتا رہا۔ حتٰی کہ نوبت فتح مکہ تک پہنچی۔ جس میں حضور علیہ السلام کو کامل غلبہ نصیب ہوا اور ارشاد ہوا جَآءَ الْحَقُّ کہ حق آ گیا۔

اس کے بعد نام نہاد اہل کتاب کے افراد پریشانی کا باعث بنے رہے تو حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ اَخْرِجُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى مِنْ جَزِيْرَةِ الْعَرَبِ کہ یہود و نصارٰی کو جزیرہ عرب سے نکال دو۔ اس حکم کی تکمیل حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ کے دور میں ہوئی۔ اس کے بعد یہ جہاں بھی گئے وہاں کی قوم و ملت کے لیے مصیبت کا باعث بنے اور اب فلسطین میں ظلم و ستم کا ناچ ناچ رہے ہیں۔

جہاں تک بیت المقدس کا تعلق ہے یہ ہزاروں انبیاء کا قبلہ رہا ہے۔ حضور علیہ السلام کا بھی ایک عرصہ قبلہ رہا پھر ظہر کی نماز میں قبلہ تبدیل ہوا وہ مسجد قبلتین کے نام سے آج بھی مشہور ہے جس میں دو رکعت بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی اور پھر دو رکعت کعبۃ اللہ کی کی طرف منہ کر کے! اس کو قبلہ اول اس لیے نہیں کہا جاتا کہ تعمیر کے اعتبار سے بیت اللہ مقدم ہے بلکہ اس لیے کہ حضور علیہ السلام کا ایک عرصہ پہلا قبلہ یہ رہا۔ ورنہ تعمیر کے اعتبار سے بیت اللہ پہلے ہے۔ اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ۔

قتل انبیاء، تکفیر بآیات اللہ وغیرہ جیسے اسباب کے پیش نظر ذلیل و خوار ہوئے۔ حضرت زکریا، یحییٰ، یرمیاہ، یسعیاہ علیہم السلام کے قتل کے معترف ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام کے مدعی ہیں۔ حضور علیہ السلام کے متعلق کوشش کی۔ اس کوشش میں ناکام ہوئے۔ بعد میں مسلمانوں کے ہاتھوں پٹے ادھر اُدھر بھٹکنے کے بعد عرب اقوام کی آپس کی چپقلش کے پیش نظر سامراجی ممالک نے انہیں فلسطین میں لا بٹھایا پھر بھی بیت المقدس اردن کے ہاتھ رہا۔ لیکن ۱۹۶۷ء کی جنگ میں بد قسمتی سے یہود کے قبضہ میں چلا گیا۔ اس وقت سے اب تک وہ اس کی حیثیت تبدیل کرنے کے لیے سرگرم عمل ہیں۔ اس کی چھتوں کو جلانا یہ بھی ایک سازش تھی۔ وہاں اپنا دارالحکومت منتقل کرنے کی کوشش ہوئی۔ اب ان کی ایک عدالت نے وہاں غاصبانہ قبضہ کی ابتدا کر دی ہے حالانکہ انہیں ایسا کرنے کا حق نہ تھا۔

بہرحال اس مسئلہ نے عربوں کی اجتماعیت کا دروازہ کھول دیا ہے۔ گو کہ ابھی تک صحیح اتحاد اور کامل اتحاد کی صورت نہیں بنی اور دل صحیح طور سے نہیں ڈھلے۔ اس لیے اس قسم کی پریشانیاں سامنے آتی ہیں اور اقوام متحدہ میں سامراجیوں سے اپیلیں کرنا پڑتی ہیں۔ اگر ہمارا اپنا مرکز ہو، اپنا پلیٹ فارم ہو، اپنی سوچ و فکر ہو اور جہادی جذبات جوان ہوں تو پھر ہم سب کچھ کر سکتے ہیں۔

جہاد کے جذبات فنا ہوں، اتحاد و اتفاق کی حقیقی روح مفقود ہو تو پھر بتلائیے کہ یہ محض احتجاج کس کام آئے گا۔

آج دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک چالیس سے زیادہ مسلمانوں کی حکومتیں ہیں لیکن اسلام عملی اعتبار سے پوری طرح کہیں بھی نافذ نہیں، آپس کی سر پھٹول وغیرہ زوروں پر ہے۔ پاکستان و افغانستان کی ٹھنی رہتی ہے ایران عراق کا چکر چلتا رہا۔ اب مراکش و الجزائر اُلجھے ہوئے ہیں اور یہی دشمنوں کی خواہش ہے اور ہم ہیں کہ اس کی خواہش پوری کر رہے ہیں۔

اتحاد نہیں تو جہاد کہاں سے ہو گا جب مل کر بیٹھنا ہی نہیں تو اس پر سوچے گا کیوں؟ ذرا سوچتے ہیں تو دشمن واویلا شروع کر دیتے ہیں اور پھر ہم بکھر جاتے ہیں۔ یاد رکھیں کہ جہاد قوم کی زندگی میں روح کی مانند ہے روح نہ ہو تو موت واقع ہو جاتی ہے اور جہاد کے بغیر زندگی زندگی ہی نہیں۔

آج دولت ہماری ہے سونا، تیل کے مالک ہم ہیں لیکن الٹے تلوں پر خرچ کر رہے ہیں۔ جب تک مخلص، دیندار قیادت نہ ہو گی مسئلہ حل نہ ہو گا۔ حضور علیہ السلام نے قوی مومن کو صحیح مومن بتلایا اور فرمایا کہ وہ خدا کے یہاں ضعیف مومن سے بہتر ہے۔ اب احتجاج ہوتا ہے۔ تو احتجاج کیا ہے یہ تو کمزور قوموں کا ہتھیار ہے جس سے مسائل حل نہیں ہوتے۔ قوی اور بہادر مومن ہو تو ساری شرارتیں دم توڑ جائیں۔

حضرت امام انقلاب مولانا سندھی علیہ الرحمۃ جو دیوبند سے فارغ ہونے کے بعد پہلے دیوبند اور اور پھر دہلی میں علماء اور گریجویٹ حضرات کو تعلیم دیتے رہے پھر حضرت شیخ الہند کے حکم سے کابل گئے۔ وہاں سے روس ترکی ہوتے ہوئے مکہ معظمہ گئے اس پورے عرصہ میں انہوں نے قرآن پڑھایا اور آج پورے حجاز میں کوئی عالم نہیں جو ان کا شاگرد نہ ہو۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے مکہ معظمہ میں قرآن کا موضوع متعین کیا وہ یہی آیت ہے جو میں نے اوپر پڑھی هُوَ الَّذِيْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ الآیہ یعنی تمام ادیان باطلہ مٹا دئے جائیں جس کو حضرت شاہ ولی اللہ رح فک کل نظام فرماتے ہیں۔ لیکن یہ سب کچھ جہاد کے سبب تھا اور اب جہاد نہیں تو فک کل نظام کیونکر ہو۔

آج روح جہاد و روح انقلاب پیدا کرنے کی ضرورت ہے ورنہ دوسروں کے ٹکڑوں کی طرف ہی نظر رہے گی۔ کبھی امریکہ، کبھی روس اور کبھی چین۔ اسلحہ مانگو تو ان سے، گندم مانگو تو ان سے! کیا یہ پنپنے کی باتیں ہیں؟ دولت ہمارے پاس، افرادی قوت ہمارے پاس، ہمیں اپنی ضروریات میں خود کفیل ہونا ضروری ہے۔

اسباب جو اللہ تعالےٰ نے پیدا کئے ہیں انہیں استعمال میں لائیں خدا پر بھروسہ کریں تو انشاء اللہ کامیابی تمہاری ہو گی۔ تعلیم و قانون اپنا ہو، معیشت اپنی ہو۔ اپنے وسائل و ذرائع ہوں اور بس۔

دوسروں بالخصوص یہود و نصاریٰ کو چھوڑنا ہو گا۔ کیونکہ خدا تعالےٰ نے ارشاد فرمایا کہ ان سے دوستی مت

(باقی صـ ۱۳ پر)

اہلِ باطل کی سازشیں ناکام بنانے کیلیے ہمیں اکابر کی روایات تازہ کرنا پڑیں گی!

وقت کے تقاضے پورے کرنے کیلیے طلبا خود کو تیار کریں!

قاسم العلوم کے جلسہ تقسیم وظائف میں جانشینِ التفسیر حضرت مولانا عبیداللہ انور کا خطاب

لاہور ۸ر فروری۔ دینی مدارس کے طلباء وقت کے تقاضوں سے عہدہ برآ ہونے کے لیے خود کو تیار کریں۔ ہمارے اکابر نے دینی علوم کی اشاعت و ترویج کی بنیاد مادی وسائل یا اہل اقتدار کی اعانت پر کبھی نہیں رکھی۔ سامراج اور دشمنانِ اسلام نے ملت اسلامیہ میں فکری انتشار پیدا کرنے کے لیے ہمیشہ سازشیں کی ہیں

ان خیالات کا اظہار آج یہاں جانشین شیخ التفسیر حضرت مولانا عبیداللہ انور نے کیا آپ مدرسہ قاسم العلوم کے طلباء سے جلسۂ تقسیم انعامات کے موقع پر خطاب فرما رہے تھے۔

آپ نے طلباء پر زور دیا کہ وہ دینی علوم کے ساتھ ساتھ عصری علوم سے بھی واقفیت حاصل کریں تاکہ جب عام لوگوں سے ان کا واسطہ پڑے تو اپنے بارے میں انہیں کسی طرح کے احساس کمتری میں مبتلا نہ ہونا پڑے۔

آپ نے فرمایا طلباء حصول علم پر اپنی تمام توجہات مرکوز کریں اور زیادہ سے زیادہ محنت کریں۔ اپنے اکابر کی تاریخ پر خصوصاً نظر رکھیں کہ انہوں نے کیسے مشکل اور کٹھن حالات کا مقابلہ کر کے اسلامی علوم کی دولت ہم تک پہنچائی۔

مولانا عبیداللہ انور نے حضرت امام ولی اللہ دہلوی ؒ کی تحریک پر تفصیل سے روشنی ڈالی اور بتلایا کہ دارالعلوم دیوبند کا قیام دراصل ولی اللّٰہی تحریک کے علمبردار علماء ربانی کی کوششوں کا ثمرہ ہے اور دارالعلوم دیوبند کے علماء نے فقہ، حدیث، ادب، تفسیر غرضیکہ جملہ اسلامی علوم کی پوری خدمت کی ہے اور ساتھ ہی ساتھ دینی و ملّی وقار کا بھی کامیابی سے تحفظ کیا ہے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے، کہ دارالعلوم دیوبند کو آزادی سے قبل اور آزادی کے بعد بھی بارہا دفعہ معاشی اور مالی بحران سے دوچار ہونا پڑا۔ لیکن دیوبند کے علماء و مشائخ نے کبھی کسی گورنمنٹ کی ایڈ قبول نہیں کی۔

آپ نے مزید فرمایا کہ دورِ غلامی میں سامراجی اور غیر ملکی آقاؤں کے اشارے پر جو لوگ علماء حق کے خلاف سامنے آئے تھے آج انہی کے پیروکار دجل و فریب کے انہی ہتھیاروں سے مسلح ہو کر تاریخ کو مسخ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ جن علماء نے جنگِ آزادی لڑی، آزادی کی خاطر قید و بند کی صعوبتیں جھیلیں انہیں غدار قرار دیا جا رہا ہے اور انگریز کے ایجنٹوں اور ملّت کے غداروں کو آزادی کے ہیرو ثابت کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

آپ نے فرمایا تاریخ کے ساتھ اس ظلم اور دجل و فریب کو طشت از بام کرنے کے لیے اور اہلِ باطل کے چہرے بے نقاب کرنے کے لیے ہمیں ایک بار پھر اپنے اکابر کی روایات کو تازہ کرنا پڑے گا

آپ سے پہلے انجمن خدام الدین کے جنرل سیکرٹری جناب ظہیر صدیقی صاحب نے مدرسہ قاسم العلوم کے سہ ماہی امتحانات میں اعلیٰ نمبر پر کامیاب ہونے والے طلباء کے لیے آئندہ امتحانات تک چار خصوصی وظائف کا اعلان کیا اور قاسم العلوم کے طلباء کی محنت اور ان کے علمی ذوق و شوق کی تعریف کی۔

جن طلباء کو وظیفہ کا انعام ملا ان کی علی الترتیب تفصیل یہ ہے:-

۱۔ جمال الدین پشاوری ۲۔ محمد صدیق بہاولنگری
۳۔ محمد انور لاہوری ۴۔ محمد سعید آف مری

پیرِ طریقت السیّد محمّد شاہ امروٹیؒ

(مدیر خدام الدین کے قلم سے)

خانقاہ عالیہ قادریہ راشدیہ کے موجودہ سجادہ نشین اور جمعیۃ علماء اسلام صوبہ سندھ کے امیر مولانا سید محمد شاہ صاحب زید مجدہم کا جواں سال بیٹا گزشتہ دنوں شقاوت و بربریت کا شکار ہو کر حیاتِ جاوداں حاصل کر گیا۔ اس موقع پر جانشینِ شیخ التفسیر حضرت مولانا عبید اللہ انور زید مجدہم امیر جمعیۃ علماء اسلام پنجاب نے امروٹ شریف جانے کا پروگرام بنایا تاکہ سید امروٹی سے جواں سال بیٹے کی مظلومانہ شہادت پر تعزیت کر سکیں۔

> "دینِ حق کے لیے تمام بیٹے قربان کرنے سے دریغ نہ کروں گا۔" (سید امروٹی)

مولانا انور کا جماعتی تعلق کے علاوہ اس خانوادہ سے ایک دوسرا تعلق بھی ہے۔ یعنی یہ کہ حضرت کے عظیم المرتبت والد مولانا احمد علی لاہوری رحمہ الباری سید صاحب کے جد بزرگوار حضرت قطب عالم سید تاج محمود امروٹی قدس سرہٗ کے فیض یافتہ اور انتہائی مخلص، محبوب و جاں نثار خادم و مرید تھے۔ حضرت لاہوریؒ اسی شیخ طریقت کے سامنے ایک دن سیاہ کپڑے پہن کر چلے گئے تو آپ نے وجہ پوچھی۔ مخلص خادم نے عرض کیا جو اندر کی کیفیت ہے اسی کا پرتو ہے کیونکہ ایسا نہ کرنے سے تشابہ ہو سکتا ہے۔ تو حضرت الشیخ نے سفید براق کپڑوں کا فوراً اہتمام فرمایا۔ وہ پہنائے اور فرمایا کہ میاں! تم سے مخلوق خدا فیض حاصل کرے گی۔ اور خوب! دنیا پر تم چمکو گے اور اسے روشن کرو گے۔

چنانچہ شیخ اکبر کے منہ سے نکلے ہوئے پیار بھرے بول صحیح ثابت ہوئے۔ اور واقعی حضرت آسمانِ رشد و ہدایت کے نیرِ تاباں ثابت ہوئے۔ اس کے علاوہ حضرت لاہوریؒ کو ایک اور بھی نسبت تھی جس کا تعلق تحریکِ حریت سے ہے یعنی شیخ الہند قدس سرہٗ کی تحریک حریت و آزادی موسوم بہ ریشمی رومال کے ایک فعال اور جی دار کارکن بلکہ قائد سید امروٹی تھے تو مولانا لاہوری بھی ایثار و قربانی کا پیکر تھے، یہ کئی نوع کے تعلقات ہیں جن کے پیشِ نظر امروٹ و لاہور کا رشتہ بحمدہٖ اب بھی جڑا ہوا ہے اور خوب! (خدا ہمیشہ اسی طرح رکھے) تو اس لحاظ سے مولانا کا وہاں جانے کا پروگرام بنا۔ بندہ نے اس موقعہ کو غنیمت سمجھا اور رختِ سفر باندھ لیا۔ اس تین روزہ سفر میں جو انوار و برکات محسوس ہوئے مجھ جیسے اندھے کے لیے ان کی تصویر کشی مشکل ہے اور ضروری باتیں پچھلی مرتبہ عرض کر بھی چکا ہوں۔

آج کی صحبت میں منیر شہید کے والد گرامی مولانا سید محمد شاہ سے غیر رسمی اور مختصر ملاقات میں ہونے والی باتیں عرض کر رہا ہوں

ہم لوگ جب امروٹ شریف پہنچے تو سید صاحب حضرت علیہ الرحمہ کے حجرہ مبارکہ اور مسجد و مدرسہ (جدید) کے بیچوں بیچ گراؤنڈ میں موجود تھے۔ بلا نوشان محبت آ جا رہے تھے۔ سابقہ اور دیرینہ تعلق کے علاوہ ہر آنے جانے والا جوان منیر کے متعلق غم و اندوہ کی دنیا میں ڈوبا ہوا تھا۔ اس سوگوار ماحول میں ہم لوگ وہاں پہنچے تو سید صاحب حضرت انور سمیت تمام رفقاء و احباب سے گلے ملے۔ ہر چند کہ بندہ کو ایک جماعتی بزرگ کی حیثیت سے ایک گونہ تعلق پہلے سے حاصل تھا لیکن قرب کا موقعہ پہلا تھا اور میں نے محسوس کیا کہ غیرت و استقامت کے جو انمٹ نقوش پرانی کتابوں کی زینت ہیں ان کی زندہ نشانیوں میں سے ایک

> "پوری قوم سید صاحب کی ممنون ہے کہ انھوں نے فرقہ وارانہ فسادات کے ذریعہ خانہ جنگی کا منصوبہ ناکام بنا دیا۔" (زعماء ملت)

نشانی سید صاحب کا وجود باجود ہے۔ اور کیوں نہ ہو ان کا خاندانی تعلق ان بزرگوں سے ہے جو ہر دور میں غیرت اسلامی کا نشان مجسم رہے۔ باقی بزرگوں سے قطع نظر حضرت قطب الاقطاب مولانا تاج محمود کو ہی دیکھیں وہ مجلس و بزم کی پر عافیت زندگی کے ساتھ میدانِ رزم کی پرخطر زندگی میں بھی اپنا ایک خصوصی مقام رکھتے ہیں۔ اس کانٹوں بھری راہ پر انہوں نے مدتوں آبلہ پائی کی اور بالآخر جب وہ اس دنیا سے رخصت ہوئے تو آسمان وزمین تک نے ان پر آنسو بہائے۔ حضرت خود لاولد تھے تو اپنے برادرزادہ السید نظام الدین شاہ کو تعلیم و تربیت سے نوازا اور اپنی علمی و روحانی وراثت ان کے سپرد کر گئے۔ انہوں نے بھی "صاحبزادگی" سے بالاتر رہ کر اپنے عظیم المرتبت بزرگ کی یادوں کو دوبالا کیا اور اسی سانچے میں اپنے فرزند سید محمد شاہ (موجودہ سجادہ نشین صاحب) کی تربیت کی۔ چنانچہ موجودہ سید صاحب اپنے اکابر کی طرح خانقاہ اور مدرسہ کے ساتھ ساتھ میدانِ رزم کو بھی سنبھالے ہوئے ہیں اور ان کی عظیم تر خدمات کے اعتراف کے طور پر ہی پاکستان کے مخلص ترین افراد کی جماعت جمعیۃ علماء اسلام جو اکابرین ملت کے جذبہ حریت کی وارث ہے نے پورے صوبہ کا امیر چن رکھا ہے۔

شاہ صاحب کا جمعیۃ سے یہ تعلق بڑے لوگوں کو نہیں بھاتا وہ انہیں شیشہ میں اتارنے کی فکر میں رہے اور میں کچھ عرصہ پہلے میر ہزار خان بجارانی کے ضمنی انتخاب کے موقعہ پر سید صاحب جماعت کے حکم سے خود مقابلہ میں آئے۔ سرکار اور اس کے گماشتوں نے ان پر کمندیں ڈالیں لیکن وہ ہر جال تڑوا کر پھر میدان میں آگئے اور لڑنے لگے۔ ع

"مجھے غرور ہوا آئے کرے شکار مجھے"

ظاہر ہے کہ "غالب کا یہ انداز" شاہ کے لیے ناقابلِ برداشت تھا اور ہے اس لیے اس نے مولانا شمس الدین، خواجہ محمد رفیق، ڈاکٹر نذیر وغیرہ کی فہرست میں ایک نئے نام کا اضافہ کرنے کا فیصلہ کیا، لیکن کمال ہوشیاری سے چال وہ چلی، کہ پناہ بخدا!

ہوا یوں کہ شیعہ حضرات کی خدمات حاصل کی گئیں تاکہ ان کے جلوس تعزیہ وغیرہ کی آڑ میں یہ کھیل کھیلا جا سکے۔ اس سے جہاں ان کی بے چین طبیعتوں کو سکون ملتا وہاں فرقہ وارانہ لڑائی کی مستقل بنیاد پڑ جاتی۔

میں نے جب شاہ صاحب سے پوچھا کہ آیا امروٹ شریف میں پہلے بھی محرم کے خود ساختہ جلوس وغیرہ نکلا کرتے تھے؟ تو آپ نے نفی میں جواب دیا۔ اور کہا کہ سرکار کے کاغذات شاہد ہیں کوئی لائسنس نہیں۔ کبھی جلوس نہیں نکلا۔ اب کہ جہان شاہ ڈی۔ایس۔پی شیعہ تھا، مختار کار شیعہ تھا ان کی پشت پر مبینہ طور پر علاقہ کا وڈیرا لطف اللہ تھا جو ممتاز بھٹو کے پولیٹیکل ایڈوائزر (جب وہ حاکم سندھ تھے) قاضی عبدالقادر کا بھانجا ہے ان سرکاری اہلکاروں نے شرارت و فساد کی آگ بھڑکانے کے لیے ایک قریبی قصبہ شکارپور کی سنیوں کی مسجد میں زبردستی تعزیہ رکھوایا۔ وہاں مسجد کو خالی کروایا تو شاید یار لوگ سمجھے کہ ہمارا کھیل بگڑ گیا۔ اس لیے انہوں نے امروٹ شریف سے کچھ فاصلہ پر شیعہ کے عارضی دس روزہ کیمپ سے جلوس روانہ کیا۔ اس جلوس کے ساتھ حسین بخش اور محمد علی نامی دو سپاہی تھے جن کی ڈیوٹی اورنگ آباد تھی یہاں کے ہیڈ کانسٹیبل انچارج غلام حیدر دھریجو نے انہیں ساتھ روانہ کیا۔

میں نے جب جلوس کی آمد اور حادثہ کے متعلق پوچھا تو شاہ صاحب نے کاغذ پر نقشہ کی مدد سے مجھے صورت حال سمجھائی (بعد میں ہم نے خود ساری جگہیں دیکھیں) اس نقشہ کے مطابق شمال مشرق کی طرف شیعہ کا عارضی کیمپ ہوتا ہے۔ یہ جگہ فاصلہ پر ہے۔ وہاں سے مغرب کو آئیں تو امروٹ کا بازار شروع ہو جاتا ہے۔ جس سے سیدھا جنوب کی طرف ایک چھوٹی سی گلی ہے جسے میمن گلی کہا جاتا ہے۔ اس میں محض چند مکان ہیں اور دوسرے پر پرانا مدرسہ ہے جبکہ ساتھ خالی حصہ

پڑا ہے اور متصل ہی قدیم مسجد ہے۔ مسجد و مدرسہ قدیم کے مغرب میں شاہ صاحب کا مکان ہے (آپ نے نقشہ بھی ملاحظہ فرما لیا) مسجد و مدرسہ اس گلی کی آخری عمارتیں ہیں آگے کوئی عمارت نہیں۔ یار لوگ بغیر لائسنس آئے اور پھر بازار کو چھوڑ کر اس گلی میں گھس آئے۔ جہاں آنے کا کوئی تُک نہ تھا۔ مدرسہ کے قریب آ کر اصحاب ثلاثہ پر تبرا کیا۔ اس وقت ظہر کی نماز کے سلسلہ میں (یاد رہے کہ یہاں ظہر کی نماز قدرے تاخیر سے پڑھی جاتی ہے) منیر شہید اپنے دو بھائیوں نثار احمد اور عزیز احمد اور ایک طالب علم محمد عمر سمیت مسجد میں تھے۔ ان لوگوں نے انہیں اس غیر سنجیدہ اور غیر شائستہ حرکت سے روکا تو محمد علی نامی سپاہی نے مرحوم کو پکڑ کر کھینچا۔ باقی لوگ پل پڑے۔ جس سے منیر مرحوم اور محمد عمر زخمی ہوئے۔ منیر کے یہی زخم زندہ جاوید ہو گئے۔ جبکہ محمد عمر کی حالت اب بہتر ہے۔

شاہ صاحب نے بتایا کہ میں اس دن یہاں نہ تھا جماعتی رفقاء کے مقدموں کے سلسلہ میں کراچی تھا۔ منیر کے بھائیوں نے ہی انتظامیہ سے رابطہ قائم کیا، وہی اسے ہسپتال لے گئے۔

اب صورت حال یہ ہے کہ میرے لڑکے نثار احمد شاہ نے رپورٹ درج کرائی جس میں ملزموں وغیرہ کی تفصیل ہے۔ ادھر شیعہ حضرات نے رپورٹ درج کرائی جس میں منیر شاہ کے ساتھ نثار شاہ کو فریق بنایا گیا ہے اور ان پر الزام ہے کہ انہوں نے ہمیں برا بھلا کہا اور مارا۔ جبکہ ایک رپورٹ سرکار کی طرف سے ہے۔ اس میں شیعہ حضرات پر دفعہ ۱۴۴ کی خلاف ورزی کا الزام ہے اور یہ کہ محمد علی نیز حسین بخش (پولیس اہلکار) نے انہیں منع کیا لیکن باز نہ آئے (حالانکہ یہ دونوں مبینہ طور پر ساتھ تھے) اس رپورٹ میں سرکاری اہلکاروں نے منیر برادران پر شیعوں کے حملہ کا ذکر کر کے ان کے زخمی ہونے کا اعتراف کیا ہے لیکن الزام محض ۱۴۴ کی خلاف ورزی کا ہے۔

اس واقعہ کے بعد ایس۔ پی صاحب تین مرتبہ تشریف لائے۔ مبینہ اصل مجرموں کی چائے تک پی لیکن دو مرتبہ جائے واردات تک نہیں دیکھی۔ تیسری دفعہ زحمت گوارا کی۔ اسی۔ ڈی۔ ایس۔ پی کو انکوائری کے لیے مقرر کیا گیا۔ شدید احتجاج پر اب نیا ڈی۔ ایس۔ پی متعلقہ گھوٹکی مقرر کیا گیا ہے۔

حسین بخش، محمد علی نامی سپاہی اور غلام حیدر نامی ہیڈ کانسٹیبل جس نے انہیں بھیجا ان کا کچھ نہیں ہوا۔ کفن لائن حاضر تک کی بات نہیں جبکہ محمد علی سپاہی نے مبینہ طور پر دو راؤنڈ تک چلائے۔ اب تک ۱۴ ملزم گرفتار ہو چکے ہیں لیکن جو پشت پر ہیں اور مرکزی کردار ادا کرنے والے ہیں نہ وہ پکڑے گئے نہ اسلحہ برآمد کیا گیا جبکہ ایسا کرنا ازبس لازمی ہے۔

شاہ صاحب نے بتلایا کہ سکھر کے جمعیۃ علماء پاکستان کے ایم۔ پی۔ اے مفتی محمد حسن صاحب کی قیادت میں وزیر قانون کیپٹر سے وفد ملا لیکن ان کا رویہ افسوسناک تھا۔ اظہار افسوس کے لیے جو لوگ ہمارے پاس آتے ہیں۔ انہیں تنگ کیا جاتا ہے۔ ہم پر پولیس کا پہرہ ہے۔ ۳۰ جنوری کو یوم احتجاج کے موقعہ پر بہت زیادہ پولیس یہاں آئی ۹۔ ۱۰ محرم کو شیعہ کو کھلی چھٹی دینے والوں نے اس دن لمحہ بھر کے لیے ہمیں تعزیتی جلسہ کی اجازت نہ دی۔

شاہ صاحب راوی ہیں کہ ۳۰ کے جمعہ کو مہمانوں کی خاطر بچھڑا ذبح کرایا گلاب شاہ نامی جس شخص نے ذبح کیا وڈیرے لطف اللہ کے نوکروں نے اسے مارا۔ نیز یہ کہ ملزموں کو مصنوعی طریق سے بلیڈ وغیرہ سے زخمی کرنے کا چکر اور جھوٹے مقدمات کی باتیں ہو رہی ہیں

شاہ صاحب نے بتلایا کہ جو لوگ ہم سے کسی نہ کسی طرح بھی تعلق رکھتے ہیں لیکن ان کا سرکاری پارٹی سے تعلق ہے انہیں سرکار کا اتنا خوف ہے کہ وہ تعزیت تک کے لیے آنے سے گریز کرتے ہیں۔

شاہ صاحب نے میرے استفسار پر بتایا کہ حالات کی مختصر کڑیاں آپ کے سامنے ہیں کم از کم مجھے یقین ہے کہ شیعہ تو محض آلہ کار بنے۔ اصل چکر کچھ اور ہے لیکن میں بہرحال اپنا فرض ادا کروں گا۔ قانونی جنگ لڑونگا رہ گئی بات جوابی کاروائی کی تو معلوم ہونا چاہیے کہ سندھ کے علاوہ ہمارے ملنے والے بلوچستان میں بہت ہیں اور حروں کی طرح تیز طرار ہیں شاید زیادہ ہی ہوں۔ وہ لوگ بہت کچھ کر گزرتے لیکن میں نے سختی سے روک دیا ہے کیونکہ جوابی کاروائی کا مقصد بالادست دشمنوں کی

خواہشات کی تکمیل ہے جو شیعہ سنی فسادات کی آڑ میں اپنا الو سیدھا کرنا چاہتے ہیں۔

شاہ صاحب غیرت و استقامت کا مجسمہ بنے بیٹھے تھے۔ فطری طور پر جذبات میں ہیجان پیدا ہوتا ہے لیکن وہ آپے سے باہر نہیں ہوتے، ہمت نہیں ہارتے اور ایک بات اکثر فرماتے ہیں کہ

"ساری اولاد اللہ کی راہ میں قربان ہے۔ مجھے جھکانے والے بھول جائیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ نہ جھکوں گا نہ سر تسلیم خم کروں گا۔"

اس گفتگو کے دوران بعض دوسرے بزرگ اور احباب بھی موجود تھے جن میں مولانا عبید اللہ انور کے علاوہ جمعیۃ علماء اسلام کے مولانا عبدالواحد گوجرانوالہ، مولانا محمد مراد مجلس تحفظ ختم نبوت کے مبلغ مولانا محمد بشیر، جمہوری پارٹی کے حاجی محمد رفیق اور مسلم لیگ کے حیات محمد صدیقی وغیرہ تشریف فرما تھے۔ اس نقوب جماعت نے ایک ہنگامی اجلاس کا اہتمام کیا۔ حالات کے متعلق سوچا اور ایک قرارداد پاس کی جس کا متن یہ ہے:

"اس سانحہ کی تفصیلات سننے کے بعد ہماری یہ پختہ تلی رائے ہے کہ یہ حادثہ بڑی گہری سازش کا نتیجہ ہے اور اس کے عوامل و محرکات دور دور تک پھیلے ہوئے ہیں۔ اس صورت حال کے ذمہ دار عناصر نے اس مقام کو اس لیے تجویز کیا ہے کہ وہ اس مقام کی علمی، عملی، روحانی اور مجاہدانہ حیثیت سے خوب واقف و آگاہ ہیں، ان لوگوں کی خواہش کچھ یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس طرح شدید ردعمل ہو اور ملک میں فسادات پھیل جائیں۔

لیکن یہ بات انتہائی مسرت کا باعث ہے کہ منیر شہید کے والد نے انتہائی صبر و ضبط اور تحمل سے اس حادثہ کو برداشت کیا۔

شاہ صاحب کا آئینی حدود میں پیروی کرنا اور اپنے خدام کی زبردست خواہش کے باوجود جوابی کارروائی سے گریز کرنا ان کی شرافت نسبی و دینی کی دلیل ہے۔

آج جب کہ ملک میں اتحاد کی پہلے سے زیادہ ضرورت ہے کچھ ذمہ دار لوگ فساد کی آگ بھڑکانے پر تلے ہوئے ہیں۔ ایسے میں امروٹی صاحب جیسے لوگ خوش قسمت ہیں جو ان سازشوں کو بے نقاب کریں اور حکمرانوں کی خواہشات پامال کریں۔ ہمیں یقین ہے کہ منیر شہید کی مظلومانہ موت ضرور رنگ لائے گی اور ظالم اپنے انجام کو پہنچیں گے۔"

اس غیر رسمی اور مختصر مجلس ملاقات کے بعد سلسلہ کلام ختم ہوگیا اور میں دل میں عجیب و غریب یادیں لے کر بزرگوں اور احباب سمیت واپسی کے سفر پر چل پڑا۔

سید صاحب کی طرح میری بھی خواہش ہے کہ اصل مجرم بے نقاب ہوں، وہ اپنے کئے کی سزا بھگتیں اور امن و امان کی فضا قائم ہو۔ ہم اس واقعہ سے متعلق مختلف مواقع پر جو کچھ لکھ رہے ہیں یا کہہ رہے ہیں اس کا مقصد محض ارباب حکومت کو انصاف کی طرف توجہ دلانا ہے۔ اللہ کرے کہ انصاف ہو جائے۔ ورنہ آخری عدالت کا فیصلہ حقائق کو بے نقاب کر دے گا۔

بقیہ: خطبہ جمعہ

لگانھو۔ (انعام)

اور یہ کہ یہود و نصاریٰ اس وقت تک تم سے راضی نہ ہوں گے جب تک تم ان کا دین نہ اپنا لو۔ (بقرہ)

بہرحال ضرورت ہے کہ ہم اپنا مقصد متعین کریں انقلابی اور جہادی روح اپنے اندر پیدا کریں جس طرح جسمانی اعتبار سے ان کی غلامی سے چھٹکارا حاصل کیا ہے اسی طرح علمی، تہذیبی، فکری ہر اعتبار سے ان کی غلامی سے آزاد ہوں۔

اللہ رب العزت ہماری مشکلات دور فرمائیں اور ہمیں روح جہاد سے بہرہ ور فرمائیں۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

"اور جو کوئی اس کے موافق حکومت نہ کرے جو اللہ تعالیٰ نے اتارا ہے سو وہی لوگ ظالم ہیں۔"

(سورۃ المائدہ آیت ۴۵)

کمال الدین۔ سابق مدرس لاہور کارپوریشن

حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف جیسے سخی کا جنت میں گھسٹ کر جانا

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے دونوں ہجرتیں کیں، غزوہ بدر اور تمام غزووں میں شریک ہیں۔ حضور کے زمانہ سے ہی ان کا شمار اہل علم اور اہل فتوٰی میں ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے محض ان کی رائے سے بعض امور کو اختیار کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ سفر میں صبح کی نماز ان کا مقتدی بن کر ادا فرمائی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی ضرورت کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ صحابہ نے مل کر ان کو امام چنا تھا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واپس تشریف لائے تو ایک رکعت ہوچکی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اقتدا میں نماز پڑھی جب حضرت عمر رضی اللہ خلیفہ بنے تو پہلے سال میں اپنا قائم مقام امیر الحج بنا کر ان کو بھیجا۔ (اصابہ)

غرضیکہ بے انتہا فضائل کے باوجود اس مال کی کثرت نے ان کو اپنے مرتبہ کے لوگوں میں پیچھے کردیا اور مال بھی محض اللہ پاک کے فضل اور اس کی عطا اور اس کے انعام ہی سے ملا تھا۔ ورنہ بہت غریب تھے۔ ہجرت کی ابتدا میں جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مہاجرین اور انصار کا آپس میں بھائی چارہ کیا تھا تو ان کو حضرت سعد بن الربیع انصاری کا بھائی بنایا تھا۔ حضرت سعد نے ان سے کہا تھا "مدینہ میں سب سے زیادہ مال اور دولت اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا فرما رکھا ہے، میں سب مال میں سے آدھا تمھیں دیتا ہوں، میری دو بیویاں ہیں، ان میں سے جو تمھیں پسند ہو میں اس کو طلاق دے دونگا۔ عدت کے بعد تم اس سے نکاح کر لینا، انھوں نے فرمایا اللہ تعالیٰ تمھارے مال میں برکت عطا فرمائے۔ مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے تو تم یہاں بازار کا راستہ بتا دو۔ بازار گئے اور خرید و فروخت شروع کی، اور شام کو نفع میں سے تھوڑا سا گھی اور پنیر بچا کر لائے۔ اسی طرح روزانہ جاتے اور کچھ ہی دن گزرے تھے کہ بچت اتنی ہوگئی کہ نکاح کرلیا۔ (بخاری)

پھر وہ وقت بھی آیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ صدقہ کی ترغیب دی تو اپنے سارے مال کا آدھا حصہ صدقہ کیا اور مال کی کثرت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ صرف مصر کی تجارت سے سو اونٹ لدے ہوئے آئے تھے جو صدقہ کر دیئے، اور اس کے بعد ایک مرتبہ چالیس ہزار دینار (اشرفیاں) صدقہ کیں ایک موقع پر پانچ سو گھوڑے اور پانچ سو اونٹ جہاد کے لیے دیئے اور تیس ہزار غلام آزاد کیے اور ایک روایت میں ہے کہ تیس ہزار گھرانے آزاد کیے۔ (مستدرک)

ہر گھرانے میں نہ معلوم کتنے مرد و عورت، بڑے اور بچے ہوں گے۔ ایک مرتبہ ایک زمین چالیس ہزار اشرفیوں میں فروخت کی اور سب کی سب فقراء مہاجرین اور اپنے رشتہ داروں اور ازواج مطہرات پر تقسیم کردی۔ (مستدرک)

اور اپنے انتقال کے وقت جو وصیت کی اس میں ہر شخص کو جو بدر کی لڑائی میں شریک تھا فی آدمی چار سو دینار (اشرفیاں) کی وصیت کی تھی۔ اس وقت اہل بدر میں سے سو آدمی زندہ تھے (اصابہ) اور ایک باغ کی وصیت ازواج مطہرات کے لیے کی جو چالیس ہزار اشرفیوں میں فروخت ہوا۔ (مستدرک)

اور خود اپنا حال یہ تھا کہ ایک مرتبہ غسل کرکے کھانا کھانے کے لیے بیٹھے اور ایک پیالہ میں روٹی اور گوشت (ثرید) سامنے رکھا گیا اس کو دیکھ کر رونے لگے۔ کسی نے وجہ دریافت فرمائی تو فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسی حالت میں وصال ہوا کہ جو کہ روٹی

بھی پیٹ بھر کر نہ ملتی تھی۔ ہمیں یہ حالت جو سامنے ہے کچھ خیر معلوم نہیں ہوتی (اصابہ) یعنی اگر یہ وسعت کچھ خیر کی چیز ہوتی۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی ہوتی جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے یہ چیزیں نہ تھیں۔ تو کچھ خیر کی چیزیں معلوم نہیں ہوتیں۔ اب اگر ہم اپنے ہاں کے امیروں اور دولت مندوں کو دیکھیں تو رونا آتا ہے کہ خیر و خیرات اور صدقہ وغیرہ دینا تو درکنار زکوٰۃ ہی سرے سے ادا نہیں کرتے۔ یہاں سے خود ہی اندازہ لگالیں کہ اس حساب کے دن ان کے پاس کیا جواب ہوگا کہ جب حضرت عبدالرحمن بن عوف جیسے سخی کی یہ حالت ہوگی کہ جنت میں گھسٹ کر جائیں گے یعنی پاؤں پر کھڑے ہو کر نہ جائیں گے۔

ایک اور حدیث میں حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھے جنت دکھائی گئی۔ اس کے اعلیٰ درجوں میں فقراء مہاجرین تھے اور غنی لوگ اور عورتیں بہت کم مقدار میں اس جگہ تھیں۔ مجھے یہ بتایا گیا کہ غنی لوگ تو ابھی جنت کے دروازوں پر حساب میں مبتلا ہیں اور عورتوں کو سونے چاندی کی محبت نے مشغول کر رکھا ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں جنت کے دروازوں پر کھڑا تھا۔ اکثر مساکین اس میں داخل ہو رہے تھے اور غنی لوگ (حساب میں) مقید تھے اور میں نے دوزخ کے دروازے پر کھڑا ہو کر دیکھا کہ عورتیں اس میں کثرت سے داخل ہو رہی ہیں۔

ایک اور حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے، کہ آدمی دو چیزوں سے گھبراتا ہے اور دونوں اس کے لیے خیر ہیں۔ ایک تو موت سے گھبراتا ہے حالانکہ موت فتنوں سے بچاؤ ہے دوسرے مال کی کمی سے گھبراتا ہے۔ حالانکہ جتنا مال کم ہوگا اتنا ہی حساب کم ہوگا۔ (ترغیب)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک مرتبہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مجمع میں تشریف فرما تھے۔ فرمایا کہ میں نے آج رات جنت کو اور تم لوگوں کے مرتبوں کو دیکھا ہے۔ اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ جنت کے جس دروازے پر بھی جاتا تھا، وہاں سے مرحبا، مرحبا (تشریف لایئے، تشریف لایئے) کی آوازیں آتی تھیں (ہر نیک عمل کے لیے جنت میں ایک خاص دروازہ ہے ہر دروازے سے درخواست کا مطلب یہ ہے کہ ہر نیک عمل میں اس کا پایہ بہت بڑھا ہوا تھا) حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس شخص کا یہ مرتبہ ہے وہ تو کوئی بہت ہی بلند پایہ شخص ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ شخص ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف توجہ فرما کر ارشاد فرمایا کہ میں نے جنت میں سفید موتی کا ایک گھر دیکھا۔ جس میں یاقوت [illegible] جڑے ہوئے تھے۔ میں نے پوچھا یہ مکان کس کا ہے۔ مجھے بتایا گیا کہ ایک نوجوان کا ہے اس مکان کی نہایت عمدگی، چمک رونق اور اپنے سید المرسلین ہونے کی وجہ سے مجھے یہ خیال ہوا کہ یہ مکان میرا ہی ہے۔ میں اس میں داخل ہونے لگا تو مجھے بتایا گیا کہ یہ عمر رضی اللہ عنہ کا ہے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ وغیرہ متعدد حضرات کے مراتب ارشاد فرمائے۔ اس کے بعد حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ میرے ساتھیوں میں سے تم بہت دیر میں میرے پاس پہنچے۔ مجھے تو تمہارے متعلق یہ ڈر ہو گیا تھا کہ کہیں ہلاک تو نہیں ہو گئے اور تم پسینہ پسینہ ہو رہے تھے، میں نے تم سے پوچھا کہ اتنی دیر آنے میں کہاں لگ گئی تھی۔ تم نے جواب دیا کہ میں اپنے مال کی کثرت کی وجہ سے حساب میں مبتلا رہا، مجھ سے اس کا حساب ہوا کہ مال کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا۔

حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ اپنے متعلق یہ سن کر رونے لگے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات ہی میرے پاس مصر کی تجارت سے سو اونٹ آئے ہیں۔ یہ مدینہ منورہ کے فقراء اور یتامیٰ پر صدقہ ہیں۔ شاید اللہ پاک اس کی وجہ سے اُس دن کے حساب میں مجھ پر تخفیف فرما دیں۔ (ترغیب)

ایک حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عبدالرحمن تم میری اُمت کے غنی اور مالدار لوگوں میں سے ہو مگر جنت میں گھسٹ کر جاؤ گے (پاؤں پر کھڑے ہو کر نہ جاؤ گے) تم اللہ پاک کی راہ میں صدقہ کرو تاکہ تمہارے پاؤں کھل جائیں حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ سے پوچھا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا چیز صدقہ کروں، فرمایا "اپنا سارا مال۔

یہ سن کر فوراً اُٹھے "تاکہ اپنا سارا مال صدقہ کریں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پیچھے قاصد بھیج کر ان کو بلایا اور یہ ارشاد فرمایا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام ابھی آئے تھے اور یہ پیام دے گئے ہیں کہ عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ سے کہہ دیجیے کہ مہمان نوازی کیا کریں۔ بھوکوں کو کھانا کھلا دیا کریں۔ سوال کرنے والوں کا سوال پورا کیا کریں، اور صدقہ کرنے میں ابتداء کیا کریں۔ یہ چیزیں ان

باقی صفحہ ۲۰

(آخری قسط)

...... کے لوگ کسی نجات دہندہ کے منتظر ہیں

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کا خطاب

نقار خانہ میں طوطی کی آواز

آج کا یہ جلسہ اور یہ حقیر کوشش نقارخانے میں طوطی کی حیثیت سے زیادہ نہیں، ہندوستان کے ۵۵ کروڑ انسانوں کا یہ نقارخانہ اس میں پانچ چھ آدمیوں کی آواز کی کیا حیثیت ہے۔ یہ صرف تکلیف دہ صورتِ حال پر احتجاج کرنے کے لیے، راستہ تلاش کرنے کے لیے ہے کہ شاید کوئی اللہ کا بندہ ہمارے ساتھ شامل ہو جائے اور اس صورتِ حال سے ناپسندیدگی کا اظہار کرے

میرے دوستو! ملک اس وقت شدید خطرے میں مبتلا ہے۔ باہر سے ہمیں کوئی خطرہ نہیں۔ وہ زمانہ گزر گیا، ایک ملک دوسرے ملک پر حملہ کرتا تھا اور ایک قوم دوسری قوم کو غلام بناتی تھی۔ اس کا کوئی تصور نہیں کر سکتا آج کے حالات میں کہ کوئی ملک دوسرے ملک پر قبضہ کرے۔ لیکن ایک بات جو کان میں کہی جانے والی تھی۔ اعلان کے ساتھ کہہ رہا ہوں کہ اگر باہر کے کسی ملک کے حملہ کرنے کا کوئی امکان ہوتا تو ہمارے ملک کے غداروں کی جماعت نہیں، چند آبرو باختہ لوگوں کی جماعت نہیں، چند بگڑے انسانوں کی جماعت نہیں، اچھے خاصے پڑھے لکھے لوگوں کی جماعت ہے۔ جو اس حملہ کا خیر مقدم کرے گی۔ صورتِ حال ایسی ہے کہ ہر شخص پریشان ہے اور وہ کسی نجات دہندہ کا منتظر ہے۔ میں اپنے ضمیر سے معافی مانگ کر یہ کہتا ہوں کہ اگر اس کا ذرا بھی امکان ہوتا کہ کوئی ملک اگر یہاں حملہ کر کے روپے کے پانچ سیر گیہوں کر دے، اور امن و انصاف قائم کر دے تو یہاں کی بہت بڑی آبادی اس ملک کی غلامی کو آج کی آزادی پر ترجیح دے گی۔ ہمارے ملک کے لوگ اس صورتِ حال سے اتنے تنگ آ چکے ہیں کہ نہ تو آزادی کے اعلیٰ کردار کا خیال رکھا اور نہ اس دانشمندانہ لٹریچر کی کوئی پرواہ کریں گے۔ جو آزادی کی فضیلت میں لکھا گیا ہے نہ خلافت تحریک اور کانگریس کی جنگِ آزادی کا خیال کریں گے نہ اس زمانہ کے مصائب کا خیال کریں گے۔ جو یہاں کے رہنے والوں نے برداشت کیے وہ تو اس طاقت کا خیر مقدم کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ جو یہاں آ کر غلہ سستا کر دے۔ امن و امان قائم کر دے۔ یہ کتنی افسوسناک اور شرمناک پوزیشن ہے۔ اس ملک کے لیے لوگ تنگ آ چکے۔ ریلیں وقت پر نہیں پہنچتیں بسیں وقت پر نہیں پہنچتیں، دفتروں اور کچہریوں میں وقت پر کام نہیں ہوتا۔ ماضی میں جیسے قافلے لٹتے تھے۔ آج ریلوں پر ڈاکے پڑ رہے ہیں۔ یوپی کے بعض مشرقی اضلاع تو ایسے ہیں جہاں کے دیہاتوں میں آئے دن ڈاکے پڑتے ہیں۔

آزادی کے بعد

ہندوستان کی جنگِ آزادی کا تاریخ انسانی میں ایک مقام ہے۔ اس کا ایک زرین باب ہے۔ لیکن یوپی کے دارالحکومت لکھنؤ میں بیٹھ کر میں کہوں گا کہ آج ہندوستان اس حالت میں پہنچ گیا ہے اور ہندوستان کی صورتِ حال نے ایسا عاجز بنا دیا ہے کہ اگر اسے معلوم ہو کہ کوئی بیرونی طاقت اس کی پریشانیوں کو رفع کر سکتی ہے تو وہ اس کا استقبال کرنے کو تیار ہے۔

ہمارے ملک کے ذمہ داروں کو اس صورتِ حال پر استعفیٰ دے دینا چاہیے۔ میں سیاسی زبان میں مطالبہ نہیں کر رہا ہوں، میں کوئی سیاسی آدمی نہیں ہوں۔ میں خالص انسانی اور ہندوستانی رشتہ سے یہ مطالبہ کر رہا ہوں۔ شاستری جی نے ریل کے حادثے میں استعفیٰ دیا تھا اور ملک نے ان کے اس اقدام کو سراہا تھا۔

اس ملک کے رہنے والے اس ملک کے نظم و نسق (ایڈمنسٹریشن) سے مایوس ہوں کہ اس ملک میں حق نہیں مل رہا ہے۔ ہمارا جائز مطالبہ ہمیں نہیں مل سکتا، ہم امن و عزت کی زندگی نہیں گزار سکتے۔ اس سے بڑھ کر حکومت پر سے عوام کی بے اعتمادی اور کیا ہو سکتی ہے؟ آپ پارلیمنٹ کے عدم اعتماد کو اہمیت دیتے ہیں۔ کروڑوں عوام کی پارلیمنٹ کے مقابلہ میں چار پانچ سو کی پارلیمنٹ کیا ہوتی ہے؟ جس کے اکثر ممبران کا کسی حکومت کے خلاف بے اعتمادی کا ریزولیشن پیش کرنا۔ پارلیمانی جمہوریت میں بڑی چیز سمجھی جاتی ہے۔ اور حکومت کو یہ حق نہیں ہوتا کہ وہ اقتدار پر جمی رہے۔ پارلیمنٹ کے ارکان تو ہمارے بھیجے ہوئے لوگ ہیں جو کبھی صحیح پہنچتے ہیں اور اکثر غلطی سے پہنچ جاتے ہیں۔ ہمارے ارادے اور اختیار سے کم پہنچتے ہیں۔ انہوں نے پارلیمانی

اور دستوری الفاظ میں اگر عدم اعتماد کا ریزولیشن پیش کر دیا۔ اس کے پیچھے نہ جانے کتنے سیاسی محرکات ہو سکتے ہیں، پارٹی پالیٹکس ہو سکتی ہے۔ تو حکومت کو اپنی گدی چھوڑنے پر مجبور ہونا پڑتا ہے۔ لیکن یہ کروڑوں معصوم عوام MAN OF STREET یہ راستے کا چلنے والا، جس نے سیاست کا ایک حرف بھی نہیں پڑھا ہے۔ یہ سیاسی داؤ پیچ نہیں جانتا جو کہتا ہے صحیح کہتا ہے۔ یہ اس کے دل کی آواز ہوتی ہے۔ یہ زبانِ حال، زبانِ حقیقت، زبانِ واقعہ سے بار بار اس بات کا اعلان کرتا ہے کہ میرا اعتماد اس نظام پر سے اٹھ چکا ہے۔

ایک پارٹی کا مسئلہ نہیں

میں کسی ایک پارٹی ایک جماعت کو نہیں کہتا بلکہ پوری انتظامیہ کو کہتا ہوں کہ اس پر سے عوام کا اعتماد اٹھ چکا ہے اگر آپ دلوں کو کرید سکیں اور اس کے لیے کسی عمل کی ضرورت نہیں، اسٹیج پر تقریر کرنا مضمون لکھنا اور چیز ہے، اصل احساسات وہ ہیں جو گھر میں اور نجی مجلسوں میں بیان کیے جاتے ہیں۔ اکبر الہ آبادی نے کہا ہے

نقشوں کو تم نہ دیکھو لوگوں سے مل کے دیکھو

کیا چیز جی رہی ہے کیا چیز مر رہی ہے

لوگوں کا اعتماد کتنا اٹھ چکا ہے۔ اس کا اندازہ ہر گوشے، ہر چوپال اور گھر میں ہو سکتا ہے۔ لوگ حکمرانوں اور انتظامیہ سے حد درجہ مایوس ہو چکے ہیں۔ انتظامیہ کے بڑے بڑے عہدوں پر جو افسران اور وزراء ہیں وہ کسی کے بھانجے، کسی کے بھتیجے، کسی کے بھائی، کسی کے نواسے، کسی کے پوتے ہیں۔ مگر ان کا رویہ اپنوں کے ساتھ حاکمانہ ہے۔ آزادی کے بعد حاکم و محکوم کی اصطلاح کا میں قطعاً قائل نہیں۔ اس ملک میں نہ کوئی حاکم ہے نہ محکوم۔ ہر شخص حاکم ہے ہر شخص محکوم ہے۔ یہ وہی لوگ ہیں جن کے ساتھ ہم کھیلے ہیں، ہم نے اسکول میں پڑھا ہے۔ یہ ہمارے جیلوں اور ہسپتالوں کے ساتھی ہیں۔ جنگ آزادی میں ہم نے شانہ بشانہ لڑا ہے یہ دکھ درد اور خوشی و مسرت کے ساتھی ہیں۔ انھوں نے آج ہمیں ایسا بنا دیا ایسے ہم سے آنکھیں پھیر لیں۔ یہ بن گئے حاکم اور ہم بن گئے محکوم۔ اس ملک میں دو فریق ہرگز نہیں ہیں۔ میں یہ ماننے سے انکار کرتا ہوں کہ یہاں کوئی حاکم و محکوم ہے۔ حاکم و محکوم کی اصطلاح کسی آزاد ملک کے لیے لعنت ہوتی ہے۔ کیسا حاکم؟ کہاں کا محکوم؟ ہم اپنے اوپر حکومت کر رہے ہیں، ہم پر انگریز حکومت نہیں کر رہا ہے۔ ہم پر کوئی جرمن یا پاکستان حکومت نہیں کر رہا ہے۔ ہم پر ہمارے بھائی حکومت کر رہے ہیں۔ لیکن جب ہم ووٹر ہوتے ہیں تو یہ سب بھائی بن جاتے ہیں۔ ورنہ یہ ہمارے آقا اور حاکم بن جاتے ہیں، لیکن افسوس یہ ہے کہ ووٹر کی زندگی کو دائمی نہیں بنایا جا سکتا۔

مصنوعی صورت حال

آج جو صورتِ حال ہے، بالکل مصنوعی صورتِ حال ہے، غیر فطری صورت حال ہے اس میں باقی رہنے کی صلاحیت ہی نہیں۔ یہ اہل ملک کی کمزوری ہے کہ ہم اس صورتِ حال کو برداشت کر رہے ہیں۔ میں بغاوت کا نعرہ نہیں دیتا۔ میں انقلاب کا نعرہ نہیں دیتا، میں اصلاح کا نعرہ دیتا ہوں۔ میں انسانی حقوق کی فریاد کر رہا ہوں، ہندوستانی ہونے کے ناطے سے اس لیے کہ میری اور قوم کے ہر فرد کی قسمت اس ملک سے وابستہ ہے۔ میں یہ اپیل کر رہا ہوں کہ اس ملک کو خطرے سے بچائیے۔ ہم نے کیا اس لیے جنگ آزادی لڑی تھی، کہ کسی کو کسی کی بات پر اطمینان نہ رہے۔ ریلوے اور ڈاک کے محکمے انگریزوں کے زمانے میں ضرب المثل تھے۔

بھوپال سے ایک شخص خط لکھتے ہیں علی گڑھ سرسید کے نام، تیسرے دن زیادہ سے زیادہ چوتھے دن بھوپال میں اس خط کا جواب مل جاتا ہے۔ یہ ۱۸۹۵ء کی بات ہے۔

ریلوے کا حال یہ ہے کہ وقت پر پہنچنے نہ پہنچنے کا کچھ پتہ نہیں آج مجھے ایک صاحب نے بتایا کہ ریلوے ٹائم ٹیبل پر لکھا ہے۔ کہ ریلوں کے وقت پر نہ پہنچنے کا ذمہ دار محکمہ ریلوے نہیں ہے۔ شروع سے ہی آگاہ ہی دی گئی۔ تعجب کی بات ہے اگر محکمہ ریلوے ذمہ دار نہیں تو پھر کون ذمہ دار؟ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وقت کی کوئی قیمت ہی نہیں۔ آوے کا آوہ ہی بگڑا ہوا ہے۔ میرا ان شخصیتوں سے اگر تعلق نہ ہوتا جنھوں نے آزادی کی لڑائی میں حصہ لیا تھا تو میں اتنی صاف گوئی سے شاید نہ کہتا لیکن مجھے حق ہے۔

خوفِ خدا اور حب الوطنی

آخر میں دو چیزوں کی طرف توجہ دلانا ضروری سمجھتا ہوں، وہ یہ کہ کسی ملک یا قوم کے تحفظ و بقاء کے لیے دو چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے ایک تو خدا کا خوف، دوسرا حب الوطنی، جب کسی میں یہ عقیدت جاگزیں ہو جائے کہ ایک ایسی بالاتر ہستی ہے جو اندھیرے، اجالے میں ہماری نگران ہے اور مجھے جواب دہی کرنا ہے۔ اصلاح کے لیے اس سے بہتر کوئی بدل نہیں۔ یہ وہ اصل طاقت ہے جو چوروں کو پاسبان بناتی ہے۔ اس کے بعد کسی درجہ میں کوئی طاقت ہو سکتی ہے تو وہ

(باقی صفحہ ۲۰ پر)

ثمرات الاوراق

خطیب اسلام مولانا محمد اجمل مدظلہ

فقر و فاقہ کے باوجود خودداری

حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی کے صاحبزادے مولانا نورالحق مولف تیسیر القاری شرح بخاری کے شاگرد سید محمد مبارک بلگرامی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں مولانا طفیل محمد سے جو استاذ المحققین کہلاتے تھے، منقول ہے آپ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں حضرت سید مبارک کی خدمت میں حاضر ہوا۔ دیکھا کہ حضرت موصوف وضو کے اہتمام کے لیے اٹھے تھے کہ اچانک گر گئے۔ میں لپک کر تیزی سے نزدیک گیا ایک گھنٹہ بعد افاقہ ہوا میں نے وجہ دریافت کی۔ بہت دیر تک کہنے سننے سے فرمایا)

تین دن گزر گئے اور اس عرصہ میں غذا بالکل نہ مل سکی۔ ان تینوں دنوں میں نہ کسی کے سامنے لب کھولا اور نہ قرض ہی لیا۔ میر محمد طفیل موصوف فرماتے ہیں مجھے بہت ترس آیا فوراً وہاں سے اٹھ کر اپنے گھر پہنچا اور شیریں کھانا جو آپ کو مرغوب تھا۔ تیار کر کے خدمت بابرکت میں حاضر کیا۔ پہلے خوشی کا اظہار کیا اور دعائیں دیں۔ میر مبارک فرماتے ہیں ایک بات کہوں اگر تمہیں بارِ خاطر نہ ہو۔ میں نے عرض کیا حضرت بخوشی فرمائیں۔ آپ نے اسی شاگرد سے جس کی خاطر شکنی بھی منظور نہیں، فرمایا! صوفیا کی اصطلاح میں اسے اشرافِ نفس کا کھانا کہتے ہیں۔ یعنی نفس نے جس کی امید لگائی تھی۔ یہ ایسا کھانا ہے۔ کیونکہ اظہار خیال کے بعد اور میر طفیل محمد کے جانے کے بعد میر مبارک کے نفس نے ظاہر ہے کہ اس کھانے کی امید قائم کر لی تھی۔ اس کے بعد میر مبارک فرماتے ہیں۔ یہ درست ہے کہ فقہاء کے نزدیک اس کا کھانا درست ہے اور یہ بھی ٹھیک ہے کہ تین دن کے بعد مردار کھانا حلال ہو جاتا ہے۔ لیکن صوفیا کے یہاں اشراف کا کھانا جائز نہیں۔

میر طفیل محمد استاذ کے مذاق شناس تھے بغیر کسی اصرار اور رد و کد کے کھانا سامنے سے اٹھا لیا اور چلے گئے۔ اوٹ میں جانے کے بعد پھر لوٹے اور اب کھانا پیش کر کے استاذ سے پوچھتے ہیں،

خاکسار جب کھانا اٹھا کر حضرت کے سامنے سے لے گیا تو کیا آپ کو واپسی کی توقع تھی۔ میر مبارک نے جواب دیا کہ نہیں۔

میر طفیل محمد نے عرض کیا۔ اس وقت یہ کھانا خلافِ توقع لایا ہوں، لہذا یہ طعام اشراف باقی نہیں رہا۔ سعید شاگرد کے اس حسن تدبر پر استاذ خوش ہوئے اور بولے تم نے عجیب سمجھداری کا ثبوت دیا۔ کھانا پوری رغبت سے تناول فرمایا اور شاگرد رشید کو دعاؤں سے نوازا۔

(نظام تعلیم و تربیت ص ۳۹-۴۸)

درویشی میں شان استغنار

شیخ حمید اللہ ناگوری رحمۃ اللہ علیہ ضلع ناگور کے ایک گاؤں سوالی میں ایک بگھہ زمین رکھتے تھے۔ اسی میں اپنے ہاتھ سے کھیتی کرتے اور اہل و عیال کی روزی کا سامان فراہم کرتے۔ ایک چادر کمر سے باندھتے اور دوسری جسم پر ڈالتے۔ بیوی کے سر پر دوپٹہ تک نہ ہوتا۔ پیراہن کا دامن سر پر ڈال لیا کرتی تھیں۔ ناگور کے مقطع نے ان کی عسرت بھری زندگی دیکھ کر کچھ زمین اور نقد روپے پیش کیے تو شیخ حمید اللہ صوفی نے یہ کہہ کر لینے سے انکار کر دیا۔ کہ ہمارے خواجگان میں سے کسی نے ایسی چیز قبول نہیں کی ہے۔ میرے پاس میری ملکیت کا ایک بگھہ زمین میرے لیے کافی ہے۔ مقطع نے شیخ کی اس بزرگی و درویشی کی اطلاع بادشاہ وقت کو دی۔ بادشاہ نے پانچ سو نقرئی ٹنکے کے ساتھ ایک گاؤں کا فرمان جاری کیا۔ اور جب مقطع خاکساری اور عاجزی کے ساتھ یہ فرمان لے کر شیخ کی خدمت میں پہنچا۔ تو شیخ بیوی کے پاس اندر گئے جس کے سر پر دوپٹہ نہ تھا۔ خود شیخ کی کمر کی چادر پارہ پارہ ہو رہی تھی شیخ نے بیوی کو آزمانے کے لیے کہا کہ بادشاہ نے پانچ سو نقرئی ٹنکے اور گاؤں کا فرمان بھیجا ہے۔ تم اس کے متعلق کیا کہتی ہو؟ شیر دل

بیوی نے کہا کہ اسے قبول کرکے آپ اپنی فقیری کو برباد کر دیں گے۔

آپ مطمئن رہیں۔ یہ دو سیر ڈوری میں نے بٹی ہے۔ اسی سے ہم کپڑے خرید لیں گے۔ جن میں آپ کے بیٹے کی چادر اور میرے لیے ایک دوپٹہ ہو جائے گا۔ شیخ اپنی بیوی کی بات سن کر از حد خوش ہوئے اور باہر آکر مقطع سے کہا کہ مجھے تمہاری لائی ہوئی چیزوں کی حاجت نہیں۔ اس لیے اس کو واپس لے جاؤ۔ (سیر الاولیاء ص ۱۵۷/۱۵۶

اخبار الاخیار ص ۲۹)

تاجروں کے ساتھ انصاف

سلطان محمود غزنوی کے ایک لڑکے شہزادہ مسعود نے ایک تاجر سے ساٹھ ہزار دینار کا مال خریدا۔ قیمت ادا کرنے میں تاخیر کی۔ تو تاجر نے سلطان محمود کے پاس آکر فریاد کی کہ اس کو قیمت نہیں مل رہی ہے۔ اس لیے وہ اپنے وطن واپس نہیں جا سکتا۔ اس کا فیصلہ قاضی کی عدالت میں کرا دیا جائے۔ سلطان محمود نے اس کی فریاد سن کر شہزادہ مسعود کو پیغام بھیجا کہ یا تو تاجر کا حق ادا کر دیا قاضی کے پاس حاضر ہو کر اس کا فیصلہ کراؤ۔ تاجر تو قاضی یہاں استغاثہ دائر کرنے حاضر ہوا۔ اور سلطان محمود کا قاصد شہزادہ مسعود کے پاس پہنچا۔ شہزادہ باپ کا فرمان پاکر پریشان ہوا۔ اس نے اپنے خازن سے پوچھا کہ خزانے میں کتنا مال ہے؟ خازن نے بتایا کہ بیس ہزار دینار ہیں۔ اس نے کہا یہ بیس ہزار دینار ابھی تاجر کو لے جاکر دو۔ بقیہ رقم کے لیے تین روز کی مہلت مانگو۔ باپ کے قاصد سے کہا کہ تم جاکر کہو کہ بیس ہزار دینار تو ابھی تاجر کو بھجوائے جا رہے ہیں اور بقیہ تین روز میں ادا کر دیئے جائیں گے میں خود لباس پہنے تیار بیٹھا ہوں۔ جب وقت طلبی ہوگی۔ مجلس خاص میں حاضر ہو جاؤں گا۔ سلطان محمود نے جواب میں کہلا بھیجا کہ وہ میری صورت اس وقت نہ دیکھے۔ جب تک کہ وہ تاجر کی پوری رقم ادا نہ کر دے۔

شہزادہ مسعود اور بھی پریشان ہوا۔ اپنے آدمی ہر طرف بھیج کر قرض منگوائے۔ ظہر کی نماز تک ساٹھ ہزار دینار تاجر کو مل گئے۔ اس واقعہ کی شہرت ہر طرف پھیلی تو تمام اطراف کے تاجر غزنی آکر اپنا مال بہت اطمینان سے فروخت کرتے

رہے، اور ان کی قیمت پانے میں کوئی مشکل نہ ہوتی۔

(سیاست نامہ فصل ونہم)

بادشاہت میں نیک دلی

سلطان غیاث الدین بلبن کے بعد اس کا پوتا معز الدین کیقباد دہلی کے تخت پر بیٹھا۔ لیکن درباری امرا نے اس کو جلد ہی تخت سے ہٹا کر اس کے بیٹے کیومرث کو دہلی کا سلطان بنایا۔ جس کی عمر صرف تین سال کی تھی۔ لیکن دربار کے خلجی امرا غالب آئے اور جلال الدین فیروز شاہ کو تخت پر بٹھایا۔ اس وقت اس کی عمر ستر سال تھی۔ جب وہ تخت پر بیٹھا تو دو رکعت نماز شکرانہ ادا کی اور تخت شاہی پر بیٹھ کر امرا سے یوں مخاطب ہوا۔

"میں کس طرح خدا کا شکر بجا لاؤں۔ میں سالہا سال سے اسی تخت کے سامنے اپنے سر کو جھکاتا رہا۔ اور آج میں اس تخت پر بیٹھ کر سلطنت کا حکم جاری کروں گا، اور میرے بہت سے دوست جو ہر طرح مجھ سے بہتر ہیں اپنی اپنی کمر ——— پر ہاتھ رکھ کر میرے سامنے کھڑے ہوں گے"

تخت پر سے اتر کر نیک دل سلطان غیاث الدین بلبن کے محل میں گیا۔ جس کا نام کوشک لعل تھا۔ جب اس کے پاس پہنچا تو اپنی ایرانی عادت کے مطابق گھوڑے پر سے اتر گیا۔ اس کے ساتھ اس کا ایک درباری ملک احمد جیبت تھا اس نے اس سے کہا "اب یہ محل آپ کا ہے۔ آپ گھوڑے پر سے کیوں اترتے ہیں؟ سلطان نے جواب دیا "ہر حال میں ولی نعمت کی عزت کرنا واجب ہے"

ملک احمد جیبب نے کہا کہ اب آپ کو اس دار الامارت میں سکونت اختیار کرنا چاہیے۔

سلطان نے جواب دیا کہ غیاث الدین بلبن نے بادشاہ ہونے سے پہلے جب وہ محض خان تھا تو اس کی تعمیر کی۔ اب یہ ان کی اولاد کی ملکیت ہے۔ میرا اس پر حق نہیں ہے۔ ملک احمد جیبب نے کہا کہ ملکی امور میں اتنی پابندی کی گنجائش نہیں۔ سلطان نے جواب دیا چند روز کی مصلحت کی خاطر قواعد اسلام سے باہر نہ جاؤں گا اور اپنے نفس کی خاطر کوئی کام انجام نہ دوں گا۔

اس کے بعد وہ پاپیادہ محل میں داخل ہوا۔ جہاں اس کا شاہی آقا بیٹھا کرتا تھا۔ وہاں احتراماً پاؤں نہ رکھے۔ بلکہ اس چبوترہ پر بیٹھا جہاں پر بلبن کے زمانے میں امراء اور اراکین سلطنت بیٹھا

کرتے تھے۔ اس کے بعد اپنے امراء سے مخاطب ہو کر کہا کہ میں نے بادشاہت کا بار اٹھا لیا ہے۔ لیکن متحیر ہوں کہ میرا انجام کیا ہوگا۔ (تاریخ فرشتہ ص ۸۹ ج ۱)

حضرت عمر بن عبدالعزیز کا کفار سے عدل و انصاف

خلیفہ راشد دمشق کی مشہور تاریخی مسجد جامع بنی امیہ میں جو آج بھی اپنی پوری شان و شوکت عظمت و اہمیت کے ساتھ موجود ہے۔ خلیفہ عبدالملک نے اس مسجد کے لیے عیسائیوں کے گرجا یوحنا نامی کے متعلق خواہش ظاہر کی کہ جتنی رقم بھی طلب کرو میں ادا کر دوں گا۔ مجھے اجازت دے دو کہ اس گرجا کی زمین کو میں مسجد میں شامل کر دوں۔ لیکن عیسائی راضی نہ ہوئے۔

عبدالملک بھی خاموش ہو گئے۔ پھر جب ولید بن عبدالملک نے اپنی حکومت کے زمانہ میں اسی خواہش کو عیسائیوں کے سامنے پیش کیا اور بہت زیادہ غیر معمولی معاوضہ ادا کرنے پر آمادہ ہوا مگر عیسائیوں نے حسب دستور جب انکار کیا تو ولید کو غصہ آ گیا، اور کہنے لگا کہ تم لوگ خود مجھ کو مجبور کر رہے ہو کہ میں زبردستی اس گرجا کو منہدم کرا دوں۔

البلاذری نے لکھا ہے کہ ولید کی اس دھمکی پر عیسائیوں نے کہا، ان من هدم كنيسة جن او اصابته عاهة

"گرجے کو جو گراتا ہے اس کو جنوں ہو جاتا ہے یا کسی سخت مصیبت میں مبتلا ہو جاتا ہے"

عیسائیوں کی اس دھمکی نے ولید کو اور زیادہ گرما دیا اور پھر پھاوڑا ہاتھ میں لے کر گرجا کی دیوار پر گرانے کے لیے چڑھ گیا اور گرجا منہدم ہو گیا اور اس کی زمین کو مسجد میں شامل کر دیا گیا۔ اب اس کو عیسائیوں کی غلط دھمکی کا نتیجہ قرار دیجیے یا ولید کے راج کی ہٹ کا نتیجہ سمجھ لیجیے۔ یہ فعل اسلامی ضوابط کے لحاظ سے قطعاً غلط تھا۔

کچھ ہی دن بعد حضرت عمر بن العزیز کے ہاتھ مروانی حکومت کی باگ ڈور جب آئی تو آپ نے حکم دے دیا کہ مسلمانوں کی اس مسجد میں جو گرجے کی زمین شریک ہو گئی ہے۔ وہ عیسائیوں کو واپس دے دی جائے۔ ظاہر ہے کہ اس کی وجہ سے لاکھوں روپوں کا نقصان بھی ہوا ہوگا، اور دنیا کی تعمیری عجائبات میں جو عمارت اس وقت تک شمار ہوتی ہے۔ اس کی صورت بھی بگڑ جاتی علاوہ ازیں مسلمانوں کے لیے بھی یہ بات سخت تکلیف دہ تھی۔

چنانچہ مسلمانوں نے کہا کہ:

نهدم مسجدنا اذنا فيه و نصلي و نرده بيعة

ہم ایسی مسجد کو اپنے ہاتھوں سے گرا دیں جس میں ہم اذان دیتے رہے اور نمازیں پڑھتے رہے اور اس کو گرجا بنا دیا جائے۔

مگر عمر بن العزیز نے قطعاً کسی چیز کی پرواہ نہ کی اور گرجے کی زمین کی واپسی پر ان کا اصرار بہرحال باقی رہا۔ مسلمانوں کے لیے اس کے سوا اور کوئی صورت باقی نہ رہی کہ عیسائیوں کی خوشامد وغیرہ کریں۔ چنانچہ ایک معززین کا وفد سلیمان بن حبیب المحاربی کی قیادت میں عیسائیوں کے پاس پہنچا اور منت سماجت کی بالآخر ان کو معقول رقم پر راضی کر لیا گیا۔ عیسائیوں نے اس معزز وفد کی بات مان لی اور عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کی خدمت میں تحریری راضی نامہ پیش کیا گیا تو اس پر خوش ہوئے اور راضی نامہ کے مطابق فرمان جاری کیا۔

دوسرا واقعہ

خیر یہ تو ایک گرجا اور مکان کا قصہ ہے۔ ذرا خیال کیجیے سمرقند جیسا پر رونق اور آباد شہر جس کو مسلمانوں کے مشہور سپہ سالار قتیبہ نے فتح کیا ہے۔ خراسان کے اس مشہور مرکزی شہر میں مسلمان آباد ہو چکے ہیں۔ اور مسجدوں اور مدرسوں سے یہ شہر معمور ہو چکا ہے۔ عمر بن عبدالعزیز کی خلافت کا زمانہ ہے۔ سمرقند کے غیر مسلم طبقہ کا ایک وفد خلیفہ کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے اور یہ معروضہ پیش کرتا ہے کہ غدر اور عہد شکنی سے کام لے کر قتیبہ نے ہمارے شہر پر قبضہ کیا اور مسلمانوں کو اس شہر میں آباد کیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے حاکم سمرقند کے پاس اس فرمان کے ساتھ معروضہ واپس کیا کہ عدالت کے کسی قاضی کے سپرد سمرقند کا معاملہ کر دیا جائے، اور حکم دیا جائے کہ واقعی ان لوگوں کے ساتھ ظلم ہوا ہے۔ اگر بات ثابت ہو جائے تو اسی وقت مسلمانوں کو سمرقند چھوڑنے پر مجبور کیا جائے۔

حاکم سمرقند نے جمیع بن حاضر نامی قاضی کو بلا کر مقدمہ سپرد کیا۔ قاضی صاحب نے ہر قسم کی جانبداری سے الگ ہو کر مقدمہ کی چھان بین کی شہادتوں اور دوسرے دلائل سے وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ واقعی سمرقند والوں کے ساتھ غدر کیا گیا ہے۔ اسی بنیاد پر انھوں نے فیصلہ صادر فرمایا

کہ مسلمان سمرقند کو چھوڑ کر فوراً باہر نکل آئیں اور اس کے

بعد سمرقند والوں کو آزادی دی جائے کہ مسلمانوں کے ساتھ جو معاملہ چاہیں اختیار کریں۔ اسی طرح شہر سے باہر نکل جانے کے بعد مسلمانوں کو بھی اختیار ہوگا کہ جو طرز عمل چاہیں اختیار کریں۔

سمرقند کے غیر مسلموں کے سامنے یہ فیصلہ جب پیش ہوا تو انہوں نے باہم مشورہ کیا کہ نکل جانے کے بعد مسلمانوں نے پھر شہر پر اگر حملہ کر دیا تو خواہ مخواہ جنگ کے شعلوں میں ہم گھر جائیں گے۔ لکھا ہے کہ مشورے کے بعد حاکم کے سامنے حاضر ہو کر یہ درخواست کی کہ ہم مسلمانوں کے سمرقند میں قیام پر راضی ہیں اور جنگ کرنا نہیں چاہتے۔ (البلاذری ص ۴۲۸)

اور بات یوں ٹل گئی۔ ورنہ دنیا دیکھتی کہ سمرقند جیسے شہر میں آباد ہو جانے کے اور مساجد و مدارس اور مکاتب کے قائم کر دینے کے بعد معاہدے کی تکمیل کے لیے مسلمان محض اپنے دین کی وجہ سے باہر نکل آئے۔

بقیہ: خطاب حضرت مولانا ندوی

یورپ تو خون کے سمندر میں پہلی اور دوسری جنگ عظیم میں ڈوب کر نکلا ہے۔ جنگ عظیم میں بڑے بڑے شہر برلن، لندن، پیرس وغیرہ تباہ ہو گئے تھے مگر وہاں کے لوگوں کی سچی حب الوطنی تھی جس نے پھر انہیں دنیا کے نقشے پر اہمیت دلادی کھنڈر اور ملبہ پر ایک نیا ملک ایک نیا شہر وجود میں آیا۔ یورپ میں ہزار خرابیاں الحاد و دہریت، فسق و فجور ہے مگر سچی حب الوطنی انصاف پسندی، ذمہ داری کا احساس اور ہر شہری کے حقوق کی حفاظت اور جان و مال کے تحفظ کا احساس نے اسے تھاما ہے۔

حب الوطنی ہے۔ یہ احساس ہو کہ یہ ملک ہمارا ہے۔ ہمارا شہر ہے۔ خدانخواستہ کسی ملک میں یہ دونوں جذبے ختم ہو جائیں تو دنیا کی کوئی طاقت اس کو تباہی سے نہیں بچا سکتی۔ کوئی فلسفہ اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم ایک لاکھ یونیورسٹیاں کام نہیں آسکتیں۔ یورپ آج حب الوطنی کی وجہ سے باقی ہے۔ اس نے دو عظیم جنگیں جھیلیں ہیں، یورپ دو مرتبہ خون کے دریا میں نہایا ہے۔ ہم پر تو صرف خون کے چھینٹے پڑے ہیں۔ اگر کسی قوم یا ملک میں نہ تو خوف خدا ہو نہ سچی حب الوطنی ہو، تو اسے پنج سالہ منصوبے اور مادی ترقیاں تباہی سے نہیں بچا سکتیں اہل ملک اس صورت حال پر غور کریں اور "پیام انسانیت" کے نام سے جو حقیر کوشش ہو رہی ہے اس سے تعاون کریں۔

بقیہ: حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ

کے تزکیہ (درست ہونے) کے لیے ارشاد فرمائیں (حاکم)

بس آخر میں اللہ تعالیٰ سے یہ دعا ہے کہ وہ اپنے فضل و کرم سے ہر مسلمان کو مفلسی اور تنگ دستی سے تو بچائے رکھے اور مال اتنا دے کہ جس سے گزران خاطر خواہ ہوتی رہے۔ ایسے مال سے محفوظ رکھے کہ جس کی وجہ سے حساب کتاب ہی میں پھنسا رہے۔ آمین ثم آمین۔

دعائے مغفرت

گزشتہ ہفتہ حضرت لاہوری کے دیرینہ خادم علی محمد صاحب اہل حدیث، خدام الدین کے دیرینہ کارفرما بشیر چوہان صاحب کی خوشدامن صاحبہ، قاضی محمد سلیم صاحب ایڈووکیٹ کے برادر اکبر قاضی عبداللطیف صاحب چیف رپورٹر سرحد اسمبلی اور دھرموڑہ کے تبلیغی و جمعیتی بزرگ حاجی محمد شفیع صاحب انتقال کر گئے۔

ادارہ سب حضرات کے متعلقین کے غم میں برابر کا شریک ہے قارئین سے دعا کی درخواست ہے۔ (ادارہ)

عدالت کے دروازے پر

سپریم کورٹ آف پاکستان کے ریٹائرڈ جج جناب جسٹس [illegible] نے ۲۳ دسمبر ۱۹۶۵ء کو لاہور ہائی کورٹ میں ایک درخواست پیش کی جو انگریزی میں فل سکیپ کے ۱۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس درخواست کا مقصد یہ ہے کہ حاکم حقیقی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ قانون وہ ہے جو خدا نے نازل کیا۔ اور مسلمان کے لیے اس پر عمل ازبس لازمی ہے۔ اس کے سوا کسی قانون پر عمل، کسی قسم کی قانون سازی وغیرہ غلط ہے۔ قرآن و سنت اور تاریخ اسلام کے ان گنت حوالوں پر مشتمل اس درخواست کی جب سماعت ہوگی تو اسلامی نظام کا قیام آسانی سے ممکن ہو جائے گا۔ جمعیۃ علماء اسلام جو اسلامی نظام کے لئے سرگرم عمل ہے اس درخواست کا آخری حصہ جو بنیادی اہمیت کا حامل ہے خدام الدین کی وساطت سے پیش خدمت کر رہی ہے۔ نیز علیحدہ بصورت پمفلٹ بھی چھپوایا جا چکا ہے۔ اس موضوع پر ہمارے تفصیلی خیالات آئندہ شمارے میں اداریہ میں ملاحظہ فرمائیں۔

(غلوی)

۱- یہ قرار دیا جائے کہ پاکستان اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس سلطنت ہے جس کا واحد فرمانروا اور شارع صرف اللہ ہے۔ جس کا قانون صرف اللہ کی رضا ہے۔ جو رضا کہ قرآن و سنت سے اخذ کی جائے گی۔ جس کا ایک ایک لفظ قابل پابندی ہے اور یہ دونوں مل کر شریعت کو قائم کرتے ہیں، جو اللہ تبارک و تعالیٰ کا غیر متبدل الہامی قانون ہے۔

اور کہ پاکستان میں حکومت صرف اللہ کی جانب سے اللہ کے نام پر اور اللہ کے احکام کے مطابق کی جا سکتی ہے۔

اور کہ اس ملک کا ہر صاحب اختیار کرنے کے پیشتر کہ وہ کیا حکم صادر کرے۔ صرف ایک ہی سوال کا جواب دیتا ہے اور وہ یہ کہ اللہ کی رضا کیا ہے؟

اور ایک حکم امتناعی مندرجہ بالا استقرار حق کے مطابق تمام مسئول علیہم کے نام جاری کیا جاوے کہ وہ قرآن و سنت کی پابندی کریں اور وہ کوئی ایسا عمل نہ کریں جو خفیف سے خفیف حد تک قرآن و سنت کے متضاد ہو۔

۲- ایک استقرار حق مع ایک موزوں حکم امتناعی کے کہ مسلمان صرف الہامی قانون کا پابند ہے یعنی شریعت کا، کہ شریعت اس سلطنت کا واحد قانون ہے اور باقی تمام بیان کردہ قوانین اور آئین کی حیثیت صرف احکام کی ہے۔ جن کا جواز اس امر پر منحصر ہے کہ آیا عدالتیں ان کو اللہ کی مرضی کے مطابق تصور کرتی ہیں۔

اور کہ ہر وہ حکم یا ضابطہ قانون یا آئین جو قرآن و سنت سے متضاد ہو (قرآن و سنت میں انصاف اور تقویٰ بھی شامل ہے) کالعدم اور ناجائز ہے۔

۳- ایک استقرار حق کہ چونکہ اسلام میں بنیادی اصول حق کا توحید ہے۔ مسلمانان پاکستان اپنے عمل میں کلیۃً آزاد ہیں، سوائے اس کے کہ وہ قرآن و سنت کے پابند ہیں اور کسی ایسے حکم کے پابند ہیں جو قرآن اور سنت کی تعمیل میں صادر کیا گیا ہو اور مسلمانان پاکستان یہ حق رکھتے ہیں کہ اگر کوئی حکم ایسا ہو جو اللہ تبارک و تعالیٰ کی مرضی کے مطابق نہ ہو تو اس حکم کی تاحد امکان مزاحمت کریں۔ اور اگر شک ہو کہ آیا حکم اللہ تبارک و تعالیٰ کی مرضی کے مطابق ہے یا نہیں تو عدالت میں رجوع کریں۔

۴- ایک استقرار حق کہ موجودہ آئین کا آرٹیکل ۱ ہی وہ آرٹیکل ہے جو اس سلطنت کی صحیح بنیاد کی نمائندگی کرتا ہے اور کہ آئین کے تمام وہ آرٹیکل جو قرآن و سنت کے ساتھ متضاد ہیں ناجائز اور کالعدم ہیں اور پاکستان کا ہر شہری اس حد تک آئین کا وفادار نہیں ہے جس حد تک کہ آئین قرآن و سنت کے متضاد ہے

اور چونکہ موجودہ آئین اس حد تک کافرانہ آئین ہے
کہ یہ انسانوں کو قانون سازی کا مکمل اختیار دیتا ہے
کہ وہ جو بھی چاہیں قانون بنا لیں، اور یہ موجودہ آئین
قبول نہیں کرتا کہ جو قانون قرآن و سنت سے متضاد
ہو وہ ناجائز اور کالعدم ہے اور موجودہ آئین اس
وجہ سے بھی کافرانہ ہے کہ سینٹ اور اسمبلیوں کے اراکین
غیر مسلم ہو سکتے ہیں اور نیز ایک حکم امتناعی تمام مسئول
علیہم کے نام جاری کیا جائے کہ وہ مندرجہ بالا استقرار
حق کے مطابق عمل کریں۔

۵:۔ (الف) ایک استقرار حق کہ جو شخص شریعت یعنی قرآن
سنت کو طاقت کے ذریعہ یا طاقت کے رعب سے
یا کسی تدبیر سے یا کسی بھی اور ذریعہ سے منسوخ کرے،
معطل کرے یا پامال کرے تو وہ غداری کا مرتکب ہوگا۔

(ب) کہ کوئی شخص جو کسی ایسے شخص کی امداد کرے جو اس
فعل کا مرتکب ہو جو اوپر بیان کیا گیا ہے تو وہ بھی
غداری کا مرتکب ہوگا۔ اور حکم امتناعی حکومت کے نام
اور تمام اصحاب اختیار کے نام جاری کیا جائے کہ وہ
ایسے اشخاص کے خلاف موزوں کارروائی کریں۔

۶:۔ ایک استقرار حق مع موزوں حکم امتناعی کہ وہ تمام
قوانین جو عدالت ہائے کے اختیار کو انتظامیہ کی
کارروائی کے متعلق سلب کرتے ہیں، یا کسی تنازعہ کو
عدالت ہائے کے اختیار سے خارج کرتے ہیں۔ یا جو
عدالت ہائے کو حکم دیتے ہیں کہ وہ معاملات کا فیصلہ
قرآن و سنت کے سوا کسی اور بنیاد پر کریں ناجائز
اور کالعدم ہیں اور کہ تمام معاملات کا فیصلہ صرف
قرآن و سنت کی بنیاد پر ہی کیا جائے گا۔

۷:۔ ایک استقرار حق کہ وہ تمام قوانین جو کسی انسان کو
یہ رعایت عطا کرتے ہیں کہ اس کا کوئی فعل قابل
مواخذہ نہ ہوگا یا کہ وہ اپنے خلاف کسی الزام کا
جواب دینے کا پابند نہ ہوگا یا وہ کسی عدالت میں
حاضر نہ ہونے کا حق رکھے گا یا کہ اس کے خلاف
کارروائی صرف گورنمنٹ کے ایما پر یا کسی آفیسر کے
ایما پر ہو سکتی ہے اور کوئی بھی قانون جو کسی شخص
کو کوئی رعایت اس کے عہدے یا اس کے مقام یا
ایسے ہی کسی سبب سے عطا کرتا ہو تو وہ تمام کے
تمام ایسے قانون ناجائز اور کالعدم ہیں۔

۸:۔ ایک استقرار حق کہ تمام وہ اشخاص جو اس وقت
پاکستان میں بطور پریذیڈنٹ، گورنر، وزیر، ممبر اسمبلی،
پارلیمنٹ یا سپیکر حکومت کر رہے ہیں وہ اپنے
عہدوں کے نااہل ہو چکے ہیں اور وہ اپنے عہدوں
پر جائز طور پر قابض نہیں اور ایک حکم امتناعی
بنام پریذیڈنٹ، پرائم منسٹر، گورنرز، وزراء، سپیکرز اور
ممبران سینٹ و اسمبلی ہائے جاری کیا جائے کہ وہ
اپنے عہدوں کے متعلق عمل کرنے سے باز رہیں۔

۹:۔ ایک استقرار حق کہ پاکستان میں کوئی پولیٹیکل پارٹیاں
نہیں ہو سکتیں۔ نہ کوئی شخص اپنے آپ کو انتخاب کے
لیے پیش کر سکتا ہے نہ کوئی اپنے انتخاب کے لیے
کوشش کر سکتا ہے اور ایک حکم امتناعی حکومت
کے نام جاری کیا جاوے کہ وہ ہر ایسے شخص کا انتخاب
رد کر دے جو اپنے آپ کو انتخاب کے لیے پیش کرتا
ہے یا اپنی کامیابی کے لیے کوشش کرتا ہے۔

۱۰:۔ ایک استقرار حق کہ مستقبل میں تمام انتخابات اسلامی
ہائی کورٹ کی نگرانی میں ہوا کریں گے۔

۱۱:۔ ایک استقرار حق کہ مسلمانان پاکستان کا اختیار ہے کہ
وہ قرآن و سنت کی اطاعت کے لیے عمل کریں۔
اور نیکی کا حکم دیں اور برائی سے منع کریں اور وہ
اختیار رکھتے ہیں کہ وہ ایسا اپنے ہاتھ سے کریں یا
اپنی زبان سے، پبلک تقریروں میں یا کسی اور طریق
سے، اخبارات یا رسالوں میں یا کسی اور ذریعہ
سے یا جلسہ جلوسوں کے ذریعہ سے اور کوئی شخص یہ
حق نہیں رکھتا کہ اس فرض کی ادائیگی میں مسلمانان
پاکستان کے عمل میں کسی طرح کی رکاوٹ پیدا کرے۔
اور حکم امتناعی تمام انسانوں کے نام جاری کیا جائے
کہ وہ کسی طرح اس حق کے استعمال میں خلل انداز
نہ ہوں۔

۱۲:۔ ایک استقرار حق کہ تمام مسلمانوں کی ذات، جائیداد
اور عزت واجب التعظیم ہے اور ان کی ذات
جائیداد، عزت کے خلاف کوئی عمل کسی قسم کا نہیں

کیا جا سکتا سوائے اس کے کہ وہ عمل قرآن و سنت کے مطابق ہو۔ اور ایک موزوں حکم امتناعی حکومتوں کے نام جاری کیا جائے کہ وہ کسی قسم کی دخل اندازی سے باز رہیں۔

۱۳۔ ایک استقرار حق کہ وہ تمام قوانین جو انتظامیہ کو اختیار دیتے ہیں کہ وہ کسی شخص کو بغیر مقدمہ چلائے کے گرفتار کرے یا بغیر ثبوت جرم کے کسی کے خلاف کوئی کاروائی کرے ناجائز اور کالعدم ہیں۔

۱۴۔ حکومت ہائے کے نام حکم امتناعی جاری کیا جائے۔ کہ قرآن پاک میں جو پابندی شراب پر عائد کی گئی ہے اس کا احترام کریں، شراب کے لائسنس جاری کرنا یا کوئی آمدنی شراب کی بیماری سے حاصل کرنا یا کوئی عمل شراب کے متعلق اس نوعیت کا کرنا کہ جو قرآن و سنت کی ہدایات کے خلاف ہو بند کر دیں۔

۱۵۔ حکومت ہائے کے نام حکم امتناعی جاری کیا جائے کہ وہ قرآن و سنت میں جو پابندی جوئے کے متعلق ہے اس کا احترام کریں اس ملک میں تمام جوا، گھڑدوڑ اور سٹاک ایکس چینج پر ختم کرا دیں اور جوا خانہ جو کراچی میں بن رہا ہے اس کی تعمیر روک دیں اور آئندہ کوئی لاٹری نہ خود گورنمنٹ منعقد کرے نہ دوسروں کو اجازت دے۔

۱۶۔ حکومت ہائے کے نام حکم امتناعی جاری کیا جائے کہ وہ قرآن وسنت میں جو پابندی ربا پر ہے اس کا احترام کریں ربا کے متعلق کوئی معاملہ نہ کریں نہ ادا کریں نہ وصول کریں نہ دوسروں کو وصول کرنے کی اجازت دیں اور نہ کسی شخص کو سود خواری کا لائسنس جاری کریں۔

۱۷۔ حکومت ہائے کے نام حکم امتناعی جاری کیا جائے کہ وہ زکوٰۃ وصول کریں۔

۱۸۔ حکومت ہائے کے نام حکم امتناعی جاری کیا جائے کہ وہ فحش فلمیں درآمد کرنے یا ان کی نمائش کرنے یا ان کی نمائش کی اجازت دینے سے باز رہیں اور وہ تمام کاروائی کریں جو وہ فحاشی اور عریانی کے خلاف کر سکتے ہوں۔

۱۹۔ (الف) حکومت ہائے کے نام حکم امتناعی جاری کیا جائے کہ وہ قرآن پاک کی سزاؤں کے نفاذ کے لیے تکمیلی کاروائی کریں۔ وہ آفیسر مقرر کریں جو قرآنی سزائیں نافذ کریں اور کہ حکومتیں تمام وہ کاروائی کریں جو قرآنی سزاؤں کے نفاذ کے لیے ضروری یا مناسب ہو۔

(ب) حکومت ہائے کے نام حکم امتناعی جاری کیا جائے کہ وہ قرآن پاک کے مندرجہ ذیل حکم کی تعمیل کریں (وہ کہ جن کو اگر ہم حکومت عطا کریں تو وہ نماز قائم کریں گے زکوٰۃ ادا کریں گے، نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے منع کریں گے)

۲۰۔ حکومت ہائے کے نام حکم امتناعی جاری کیا جائے کہ وہ لڑکیوں کو رقص سکھانے سے باز رہیں۔

۲۱۔ حکومت ہائے کے نام حکم امتناعی جاری کیا جائے کہ وہ پاکستان کے باشندوں کو ضروریات زندگی یعنی خوراک، لباس، رہائش، تعلیم اور طبی امداد کے لیے تمام مناسب اقدامات کرے۔

۲۲۔ حکومت ہائے کے نام حکم امتناعی جاری کیا جاوے کہ وہ جسٹس حمود الرحمٰن کمیشن اور دیگر تحقیقات ہائے کی رپورٹ ہائے جو پبلک کے سامنے پیش نہیں کی گئیں پیش کر دیں۔

۲۳۔ ایک استقرار حق مع موزوں حکم امتناعی کہ حکومت صرف اس قدر ٹیکس وصول کرنے کا حق رکھتی ہے جس قدر کے لیے وہ ضروریات ثابت کرے اور اس سے زیادہ کوئی حق نہیں رکھتی۔

۲۴۔ ایک استقرار حق کہ تمام پبلک ریکارڈ پاکستان کے باشندوں کی ملکیت ہے وہ حق رکھتے ہیں کہ ان کا معائنہ کریں سوائے اس کے کہ کوئی ریکارڈ معاملات سلطنت سے تعلق رکھتا ہو۔ اور حکم امتناعی حکومت ہائے کے نام جاری کیا جائے کہ باشندگان پاکستان کو ریکارڈ ہائے کا معائنہ کرنے کے لیے تمام معقول آسائشیں مہیا کی جائیں۔ تاکہ وہ ریکارڈ ہا کا معائنہ کریں یا ان سے نقل کریں یا ان کے فوٹو سٹیٹ طیار کریں۔

۲۵۔ تمام صحت مند مسلمانوں کو فوجی تربیت دی جائے۔

۲۶۔ ایک حکم امتناعی ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ لاہور کے نام کہ نہ